مولانا محمد منصور احمد

ادارۃ المقصود

خلاصۂ قطبی ایک نظر میں

کتاب کی ترتیب	۶	''واقع'' اور ''داخل''	۷۲
علم کی تقسیم	۷	فصل مقوم و فصل مقسم	۷۴
دور اور تسلسل	۸	معرِف کا بیان	۷۶
منطق کی ضرورت کیوں؟	۱۰	حد تام، ناقص۔ رسم تام، ناقص	۷۸
ایک معارضہ اور جواب	۱۳	معرِف کی شرائط	۸۰
موضوع کسے کہتے ہیں؟	۱۴	قضیہ کی تعریف و تقسیم	۸۳
علم منطق کا موضوع	۱۶	قضیہ شرطیہ کی اقسام	۸۴
قول شارح اور حجت	۱۷	قضیہ حملیہ کے اجزاء	۸۶
دلالت کی تین اقسام	۲۰	موجبہ۔ سالبہ	۸۸
دلالت التزامی کیلئے ایک شرط	۲۴	شخصیہ، محصورہ، مہملہ، طبعیہ	۸۹
اقسام ثلاثہ کے درمیان نسبت	۲۶	تحقیق محصورات اربعہ	۹۳
مفرد اور مرکب	۲۹	حقیقیہ اور خارجیہ	۹۵
اسم، کلمہ، اداۃ	۳۰	عدول اور تحصیل	۹۷
علم، متواطی، مشکک۔۔۔	۳۳	ایجاب و سلب کی حقیقت	۹۸
مرادف، مباین	۳۶	سالبہ بسیطہ و موجبہ معدولہ	۹۹
مرکب تام اور غیر تام کی اقسام	۳۷	موجہات کا بیان	۱۰۲
کلی اور جزئی	۴۰	بسائط کا بیان	۱۰۳
نوع کی تعریف	۴۱	مرکبات کا بیان	۱۰۵
جنس کی تعریف	۴۴	شرطیہ کی مفصل اقسام	۱۰۹
جنس کی تقسیم	۴۵	عنادیہ، اتفاقیہ	۱۱۳
تمام مشترک، بعض مشترک	۴۸	سوالب کا بیان	۱۱۴
فصل کی تعریف	۵۰	متصلہ کا صدق و کذب	۱۱۶
فصل کی تقسیم	۵۱	منفصلہ کا صدق و کذب	۱۱۸
لزوم کی تعریف و تقسیم	۵۲	شرطیہ کا کلی، جزئی ہونا	۱۲۰
خاصہ، عرض عام	۵۴	شرطیہ کے اجزائے ترکیبی	۱۲۲
کلی کی اقسام	۵۶	تناقض کی تعریف	۱۲۵
کلی، طبعی، منطقی، عقلی	۵۷	تناقض کی شرائط	۱۲۷
چار نسبتوں کا بیان	۵۹	نقائض موجہات	۱۳۰
نقائض کے درمیان نسبت	۶۱	شرطیہ کی نقیض	۱۳۴
جزئی حقیقی، جزئی اضافی	۶۵	عکس مستوی	۱۳۵
نوع حقیقی، نوع اضافی	۶۷	عکس موجہات	۱۳۹
نوع کے چار مراتب	۶۸	الطرق الثلاثۃ لاثبات العکس	۱۴۰
جنس کے چار مراتب	۷۰	شرطیہ کا عکس مستوی	۱۴۱
نوع حقیقی و اضافی کی نسبت	۷۱	عکس نقیض	۱۴۲

عرضِ مؤلّف

الحمدللّٰہ وکفیٰ والصلاۃ والسلام علیٰ محمدن المصطفیٰ

گزشتہ برس جب **جامعۃ النور** کراچی میں بندہ کو قطبی پڑھانے کا موقع ملا تو مختلف طلبہ کی طبائع کو سمجھنے کا موقع ملا اور اس کتاب سے طلبہ کی بیگانگی کی وجوہات بھی سامنے آئیں۔ عزیزم مولوی مجیب الرحمن سلمہٗ نے پورے درس کی تقریر قلمبند کی، پہلے پہل تو ان کا ارادہ اسی کو شائع کرنے کا تھا لیکن بعد ازاں یہ طے پایا کہ قابل اور محنتی طلبہ کیلئے تو دیگر مبسوط شروحات موجود ہیں، اپنے جیسے کم استعداد ساتھیوں کیلئے جو قطبی سمجھنے کا شوق رکھتے ہوں، ایک آسان اور عام فہم خلاصہ تیار کیا جائے۔ زیر نظر رسالہ ''خلاصۂ قطبی'' اسی تمنا کا عملی اظہار ہے اور میں اس حقیر خدمت کو **جامعۃ النور** کراچی کے عزیز طلبہ کے نام ہی منسوب کرتا ہوں۔ اللہ کریم اس درسگاہ کو اپنی عالی بارگاہ میں شرف قبولیت بخشے اور اس کا فیض عام وتام فرمائے۔ آمین

اس خلاصہ کو املاء کرواتے وقت میرے پیش نظر یہ کتابیں رہی ہیں: تسہیل المنطق (حضرت مولانا صدیق احمدؒ)، سراج التہذیب (تقریر حضرت مولانا منظور الحقؒ)، تسہیل القطبی (الدکتور شمس الدین ابراہیم سالم) اور تیسیر القطبی (تقریر مفتی محمد خالد صاحب) آخر الذکر کتاب سے میں نے چند جداول نقل کیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان تمام کتب کے مؤلفین کو بہترین جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین

میں رفقاء گرامی مولانا محمد رمضان لدھیانوی، مولانا ظہور احمد عباسی اور برادرم محمد اسعد مدنی کا ممنون ہوں کہ جنہوں نے تصحیح، پروف ریڈنگ، کمپوزنگ اور پرنٹنگ میں قابل قدر معاونت فرمائی۔ اللہ کریم اس رسالے کو مؤلف، اس کے والدین، مشائخ اور اساتذہ سمیت تمام معاونین کیلئے صدقۂ جاریہ بنائے۔ آمین

محمد منصور احمد

خادم جامعۃ النور کراچی

۲۰/۱۲/۱۴۲۵ھ مطابق ۱/۲/۲۰۰۵ء

مختصر تعارف

مصنف رسالۂ شمسیہ:

آپ کا نام علی بن عمر بن علی، کنیت ابو الحسن اور لقب نجم الدین ہے۔ آپ حکیم دبیران کے نام سے بھی مشہور تھے۔ نسبت کے اعتبار سے آپ کاتبی اور قزوینی کہلائے۔

آپ کی تاریخ پیدائش معلوم نہیں ہے۔ تاریخ وفات ۳ر رجب یا رمضان ۶۷۵ھ ہے۔ قطبی کا متن ''رسالہ شمسیہ'' آپ کا ہی تحریر کردہ ہے۔ اس کے علاوہ آپ کی یہ تصانیف بھی ہیں:

جامع الدقائق۔ عین القواعد۔ بحر الفوائد۔ کشف الاسرار۔ حکمۃ العین

مصنف کتاب قطبی:

آپ کا نام محمد، کنیت ابو عبد اللہ اور لقب قطب الدین تحتانی ہے۔ مشہور مردم خیز شہر ''ری'' کی طرف منسوب ہو کر رازی کہلائے۔

تحتانی کا لقب اس لیے ملا کہ شیراز کے جس مدرسہ میں آپ درس دیتے تھے اس کی بالائی منزل پر بھی ایک عالم قطب الدین کا حلقۂ درس تھا۔ وہ قطب الدین فوقانی اور آپ قطب الدین تحتانی کے نام سے مشہور ہوئے۔

آپ کا سنہ پیدائش غالباً ۶۹۲ھ اور تاریخ وفات ۶ر ذیقعدہ ۷۶۶ھ ہے۔

آپ کے شاگردوں میں علامہ سعد الدین تفتازانی اور علامہ جلال الدین دوانی جیسی عظیم شخصیات شامل ہیں۔ کتاب قطبی کا مکمل نام ''تحریر القواعد المنطقیۃ فی شرح الرسالۃ الشمسیہ'' ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب کی ترتیب

قال صاحب المتن :ورتبته علی مقدمة، ومقالات، وخاتمة...''ثم قال :''واما المقدمة ففیھا بحثان :الاول فی ماھیة المنطق، وبیان الحاجة الیه''

''صاحب متن نے فرمایا : میں نے اس کتاب کو ترتیب دیا ہے ایک مقدمے، تین مقالات اور ایک خاتمے پر......رہا مقدمہ تو اس میں دو بحثوں کا بیان ہوگا۔پہلی بحث ماہیت منطق اور منطق کی حاجت کے بیان میں ہے۔''

شرح:

منطق کا علم ہی ایسا علم ہے جس کے ذریعے عقل مجہولات کو حاصل کرسکتی ہے۔اور مجہولات یا تو تصوری ہوں گے یا تصدیقی۔علم منطق میں جس کسی نے بھی تالیف کی تو اس نے اس بات کا التزام کیا ہے کہ پہلے وہ ان (معلومات تصوریہ) کو ذکر کرے جو مجہولات تصوریہ تک پہنچاتے ہیں۔پھر ان (معلومات تصدیقیہ) کو جو مجہولات تصدیقیہ تک پہنچاتے ہیں۔تو مصنف نے بھی اسی طریقے کی پیروی کی ہے۔ان کی کتاب میں ایک مقدمہ ہے تین مقالات ہیں اور ایک خاتمہ ہے۔

تین مقالات میں سے پہلا قول شارح اور اس کے متعلقہ امور کے بیان میں ہے۔قول شارح وہ ہے جو مجہول تصوری تک پہنچاتا ہے۔جب کہ دوسرا مقالہ قضایا اور اس کے احکام میں ہے۔اور یہ اس مرکب کے اجزاء ہیں جو ہمیں مجہول تصدیقی تک پہنچاتا ہے۔ پھر تیسرا مقالہ قیاس کے بیان میں ہے جو تصدیق تک پہنچاتا ہے۔اور اس میں قیاس کی صرف شکل سے بحث ہوگی۔آخر میں ایک خاتمہ ہے جس میں قیاس کے مواد کے بارے میں بحث ہے۔

یہاں مصنف کے پیش نظر تین باتیں ہیں، اوّل : منطق کی تعریف (رسم) کرنا کیونکہ جو چیز بالکل مجہول ہو انسانی نفس اس کی طرف متوجہ نہیں ہوسکتا اور تعریف کے بغیر کسی علم کا شروع کرنا بالکل بغیر بصیرت اور سمجھ کے ہوگا۔دوم : منطق کی ضرورت کو بیان کرنا کیونکہ اگر کسی کام کی غرض معلوم نہ ہو تو وہ بیکار ہوگا۔سوم : منطق کے موضوع کو بیان کرنا کیونکہ تمام علوم اپنے موضوعات ہی کے ذریعے ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہیں۔

لیکن ان سب کو سمجھنے کیلئے پہلے علم کے اقسام کو سمجھنا ضروری ہے اس لیے پہلے اسی کو بیان کرتے ہیں:

علم کی تقسیم

"العلم إما تصور فقط۔ وهو حصول صورة الشيء في العقل، وإما تصور معه حكم۔ وهو إسناد أمر إلى آخر ايجاباً أو سلباً، ويقال للمجموع تصديق"

یعنی "علم یا تو تصورِ فقط ہے اور وہ کسی شے کی صورت کا حاصل ہونا ہے عقل میں اور یا علم ایسا تصور ہے جس کے ساتھ حکم ہو۔حکم کہتے ہیں ایک امر کی دوسرے کی طرف ایجاباً یا سلباً اسناد کو اور اس پورے مجموعے کو تصدیق کہتے ہیں۔"

شرح:

لفظِ علم مشترکِ لفظی ہے کبھی تو یہ بول کر معرفت مراد لی جاتی ہے جو علمائے کلام کے نزدیک پختہ اعتقاد کو کہتے ہیں لیکن مناطقہ کے نزدیک علم کی تعریف ہے "**حصول صورة الشیءفی العقل**"

علم کی دو قسمیں ہیں، اوّل : ایسا تصور جس کے ساتھ حکم نہ ہو اس کو تصور ساذج بھی کہتے ہیں۔ دوم : وہ تصور جس کے ساتھ حکم ہو اس کو تصدیق کہتے ہیں۔

پہلے کا تعلق کسی فرد کے ادراک کے ساتھ ہے جیسے انسان یا حیوان کے معنیٰ کا تصور۔ اس میں مرکباتِ توصیفیہ جیسے حیوان ناطق اور مرکباتِ اضافیہ جیسے کتاب اللہ اور وہ مرکبات تامّہ جن میں وہم یا شک ہو، سب داخل ہیں۔

علم کی دوسری قسم یعنی تصدیق میں چار چیزیں ہوتی ہیں۔

۱۔ موضوع : اس کو محکوم علیہ بھی کہتے ہیں۔

۲۔ محمول : اس کو محکوم بہ بھی کہتے ہیں۔

۳۔ نسبتِ حکمیّہ : یہ محکوم علیہ اور محکوم بہ کے درمیانی ربط کو کہتے ہیں۔

۴۔ حکم : یعنی "اسناد امر الی آخر ایجاباً او سلباً"

امام رازیؒ کے نزدیک یہ چاروں تصدیق کے اجزاء اور اس میں شامل ہیں۔ جبکہ حکماء کے نزدیک تصدیق ایک مفرد (بسیط) چیز ہے۔ یعنی تصدیق صرف حکم کا نام ہے۔ بقیہ تین چیزیں صرف تصدیق کیلئے شرط کا درجہ رکھتی ہیں اور اس کی حقیقت سے خارج ہیں۔

تصور کا اطلاق تین معنیٰ پر ہوتا ہے:

۱۔ تصورِ مطلق : یعنی "**التصور لا بشرط شیءٍ**" یہ علم کے مترادف ہے اور تصدیق میں اسی کا اعتبار ہے۔

۲۔ تصور بشرط لاشیء : یعنی "**تصور بشرط عدم الحکم**" یہ علم کی ایک قسم ہے اور

تصدیق کی قسیم ہے۔

۳۔تصوربشرط شیء : یعنی "**تصور بشرط الحکم**" یہ تصدیق ہی کا دوسرا نام ہے۔

تصور کا پہلا معنیٰ بعد والے دونوں معانی سے عام اور مقسم ہے۔ جبکہ دوسرا اور تیسرا معنیٰ آپس میں ایک دوسرے کے مقابل اور قسیم ہیں۔

دوراور تسلسل

"ولیس الکل من کل منهما بدیهیا، وإلا لما جهلنا شیئا، ولا نظریا، وإلا لدار أو تسلسل"

یعنی "اور ان دونوں (تصور وتصدیق) میں سے ہر ایک نہ تو بدیہی ہے
ورنہ ہم کسی چیز سے جاہل نہ ہوتے، اور نہ ہی یہ سب کے سب نظری ہیں
ورنہ دور یا تسلسل لازم آئے گا۔"

بدیہی وہ ہے جس کا حصول غور وفکر پر موقوف نہ ہو جیسے آگ کی گرمی۔نظری وہ ہے جس کا حصول غور وفکر پر موقوف ہو جیسے "**العالم متغیر وکل متغیر حادث، فالعالم حادث**"۔

تصور اور تصدیق کے بارے میں کل عقلی احتمالات تین ہوسکتے ہیں:

۱۔تمام تصورات اور تصدیقات بدیہی ہوں۔

۲۔تمام تصورات اور تصدیقات نظری ہوں۔

۳۔ان دونوں میں سے کچھ بدیہی ہوں اور کچھ نظری۔

پہلی دوصورتیں باطل ہیں جبکہ تیسری صورت صحیح اور متعین ہے۔

پہلی صورت یعنی تمام تصورات اور تصدیقات کا بدیہی ہونا اس لیے غلط ہے کیونکہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ ہم دنیا میں کسی چیز سے جاہل نہ ہوں۔حالانکہ ان گنت اشیاء ایسی ہیں جو ہمارے

علم سے خارج ہیں۔

دوسری صورت یعنی تمام تصورات اور تصدیقات کا نظری ہونا اس لیے غلط ہے کیونکہ اس سے دور یا تسلسل لازم آتا ہے اور یہ دونوں باطل ہیں۔ جو چیز باطل کو مستلزم ہو وہ خود بھی باطل ہوتی ہے لہٰذا تمام تصورات اور تصدیقات کا نظری ہونا باطل ہے۔

دور کی تعریف ہے:

الرجوع فی تحصیل العلم الاخیر إلی العلم الأول

یعنی ''بعد والی چیز کا علم حاصل کرنے کیلئے پہلی چیز کے علم کی طرف لوٹنا''

دور اس لیے باطل ہوتا ہے کہ اس سے لازم آتا ہے کہ ایک چیز خود اپنے وجود پر مقدم ہو جائے۔ جیسے یہ فرض کیا جائے کہ احمد کا وجود موقوف ہے محمد کے وجود پر اور محمد کا وجود موقوف ہے حامد کے وجود پر اور حامد کا وجود پھر موقوف ہے احمد کے وجود پر۔ پس احمد کا وجود موقوف ہوا خود احمد ہی کے وجود پر۔ اب احمد اس حیثیت سے کہ وہ موقوف علیہ ہے اسے وجود میں مقدم ہونا چاہئے اور اس حیثیت سے کہ یہ موقوف ہے اسے وجود میں مؤخر ہونا چاہئے اور دونوں حیثیتوں کا جمع ہونا ناممکن ہے۔

تسلسل کی تعریف ہے:

السیر فی الاکتسابات النظریة إلی غیر نهایة

یعنی ''نظری چیزوں کو حاصل کرنے میں بغیر کسی انتہا کے چلتے جانا''

تسلسل اس لیے باطل ہے کہ اس میں لازم آتا ہے کہ انسان لامتناہی علوم حاصل کرے پھر جا کر اسے اپنا مطلوب علم حاصل ہوگا۔ حالانکہ نفس انسانی حادث ہے اور ایک حادث انسان، غیر متناہی علوم کا احاطہ نہیں کر سکتا۔

لہٰذا اگر تمام تصورات وتصدیقات نظری ہوں تو ان کو حاصل کرتے وقت پہلے پر واپس آئیں تو دور لازم آئے گا اور اگر پہلے پر واپس نہ آئیں بلکہ آگے ہی آگے بڑھتے جائیں تو تسلسل

لازم آئے گا۔

منطق کی ضرورت کیوں؟

بل البعض من كل منهما بديهي، والبعض الآخر نظري يحصل من البديهي بالفكر، وهو ترتيب أمور معلومة للتأدي إلى مجهول۔ وذلك الترتيب ليس بصواب دائما لمناقضة بعض العقلاء بعضا في مقتضى أفكارهم، بل الإنسان الواحد يناقض نفسه في وقتين۔ فمست الحاجة إلى قانون يفيد معرفة طرق اكتساب النظريات من الضروريات، والإحاطة بالصحيح والفاسد من الفكر الواقع فيها۔ وهو المنطق، ورسموه بأنه :آلة قانونية تعصم مراعاتها الذهن عن الخطأ في الفكر

یعنی ’’ان دونوں (تصور وتصدیق) میں سے کچھ بدیہی ہیں اور کچھ دیگر نظری ہیں اور یہ نظری بدیہی سے فکر کے ذریعے حاصل ہوتے ہیں۔ اور فکر کہتے ہیں امور معلومہ کو ترتیب دینا تا کہ مجہول تک پہنچا جائے۔ امور معلومہ کی یہ ترتیب ہمیشہ درست نہیں ہوتی۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ عقلمندوں میں ہمیشہ اختلاف رہا ہے ان کے افکار کے نتائج کے بارے میں۔ بلکہ ایک انسان ہی دو الگ الگ وقتوں میں اپنی رائے میں تضاد رکھتا ہے۔ پس ایسے قانون کی ضرورت ہے جو بدیہیات سے نظریات کو حاصل کرنے کے طریقے سکھائے اور صحیح اور غلط فکر کا احاطہ کر سکے۔ اسی قانون کا نام منطق ہے۔ علمائے منطق اس کی تعریف (رسم) یوں بیان کرتے ہیں کہ یہ ایسا قانونی آلہ ہے جس کی رعایت کرنا ذہن کو فکری

غلطی سے محفوظ رکھتا ہے۔''

متن میں لفظِ فکر آیا ہے جسکی تعریف یوں کی ہے:

ترتیب أمور معلومة للتأدی إلی مجهول

یعنی ''امور معلومہ کو ترتیب دینا تاکہ مجہول تک پہنچا جا سکے۔''

اس تعریف میں ترتیب کا لفظ ہے۔ لغت میں ترتیب کہتے ہیں:

وضع کل شیء فی مرتبته

یعنی ''ہر چیز کو اس کے مرتبے میں رکھنا''

اصطلاح میں ترتیب کہتے ہیں:

جعل الأشیاء المتعددة علی حالة یمکن بسببها أن یطلق علیها اسم الواحد

یعنی ''کئی اشیاء کو ایسے رکھنا کہ ان پر ایک نام کا اطلاق ہو سکے۔''

فکر کی تعریف میں امور سے مراد ایک سے زائد امر ہیں۔ فن منطق کی تعریفات میں جمع سے مراد ''ایک سے زائد'' ہوتا ہے۔

اس تعریف میں ''**للتأدی إلی مجهول**'' کی قید سے معلوم ہوا کہ اگر امور معلومہ کی ترتیب کسی مجہول تک نہ پہنچائے تو اس پر فکر کا اطلاق نہیں ہوگا۔

اب یہ سمجھنا چاہئے کہ ہر فکر صحیح نہیں ہوتی بلکہ اس میں غلطی بھی ہوتی ہے۔ یہ غلطی کبھی تو ترتیب کی شکل اور ہیئت غلط ہونے کی وجہ سے ہوتی ہے۔ جیسے

کل انسان حیوان و بعض الحیوان فرس فبعض الانسان فرس

اس میں نتیجہ غلط آنے کی وجہ کبریٰ کا جزئی ہونا ہے۔

اور کبھی یہ غلطی اصل مادے کے غلط ہونے کی وجہ سے ہوتی ہے۔ جیسے

الحدید جسم نام و کل جسم نام فهو نبات فالحدید نبات

فکر کی غلطی ہی وہ بنیادی وجہ ہے جس کی وجہ سے ایسے قانون کی ضرورت پڑتی ہے جو اس غلطی کی نشاندہی اور اصلاح کر سکے۔ اسی قانون کا نام منطق ہے۔

منطق کی تعریف اور غایت:

آلة قانونية تعصم مراعاتها الذهن عن الخطأ فی الفکر

یعنی ''ایسا قانونی آلہ جس کی رعایت کرنے سے ذہن فکر میں غلطی کرنے سے بچ جائے۔''

آلہ کی تعریف ہے:

الواسطة بين الفاعل ومنفعله فی وصول أثره إليه

یعنی ''ایسی چیز جو فاعل کے اثر کو منفعل تک پہنچانے کیلئے واسطہ بنے۔''

عام زندگی میں اس کی مثال بڑھئی کے اوزار ہیں کہ وہ اس کے اثر کو لکڑی تک پہنچاتے ہیں۔

القانونیہ یہ قانون کی طرف منسوب ہے۔ قانون کی تعریف ہے:

الأمر الکلی الذی يتعرف منه أحکام الجزئيات المندرجة تحته

یعنی ''ایسا امر کلی کہ جس سے اس کے تحت آنے والی تمام جزئیات کا حکم معلوم ہو جائے۔''

جیسے یہ قانون کہ چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا، اب جو شخص بھی چوری کرے گا اس کا حکم خود بخود اس قانون سے معلوم ہو جائے گا۔

منطق بھی ایک آلہ ہے کیونکہ وہ قوتِ عاقلہ اور مجہولاتِ تصوریہ وتصدیقیہ کے درمیان واسطہ ہے اور قوتِ عاقلہ کا اثر ان تک پہنچاتا ہے۔ منطق ایک مکمل قانون ہے کیونکہ اس کے قواعد ایسے عام ہوتے ہیں کہ ان میں شامل تمام جزئیات کا حکم ان سے معلوم ہو جاتا ہے۔

منطق کی تعریف میں لفظ ''آلہ'' جنس ہے اور قانونیہ فصل اول ہے اور **''تعصم**

مراعاتها الذهن عن الخطأ" کی قید اور فصل اس لیے لائی گئی ہے تا کہ علم نحو وغیرہ خارج ہو جائیں کیونکہ ان کے ذریعے کلام میں غلطی سے بچا جاتا ہے نہ کہ ذہنی وفکری غلطیوں سے۔ پھر خطاء فکری سے بچنے کیلئے یہ بھی ضروری ہے کہ منطقی قوانین کی رعایت کی جائے کیونکہ جب تک کسی چیز سے فائدہ نہ اٹھایا جائے تو اس کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔

اب منطق کی طرف احتیاج کو یوں بیان کیا جاسکتا ہے:

منطق ذہن وفکر کو غلطیوں سے بچاتا ہے اور جو چیز بھی ایسی ہو اس کی احتیاج ضرور ہوگی۔ پس منطق بھی محتاج الیہ ہے۔

ایک معارضہ اور جواب

ولیس کله بدیهیا، وإلا لاستغنی عن تعلمه ولا نظریا، وإلا لدار أو تسلسل، بل بعضه بدیهی، و بعضه نظری مستفاد منه

یعنی "منطق نہ تو پورا بدیہی ہے ورنہ اس کے سیکھنے کی ضرورت نہ رہتی، اور نہ ہی نظری ہے ورنہ دور یا تسلسل لازم آتا، بلکہ اس کا کچھ حصہ بدیہی ہے اور کچھ حصہ نظری ہے جو بدیہی سے حاصل کیا جاتا ہے۔"

شرح:

مناطقہ کی عادت ہے کہ اس مقام پر ایک معارضہ ذکر کرتے ہیں جس کا تعلق احتیاجِ منطق پر گزشتہ عبارت میں ذکر کی گئی دلیل سے ہے۔

معارضہ کا حاصل یہ ہے کہ منطق کے تمام قواعد بدیہی ہیں اور جو بدیہی ہو تو اس کے سیکھنے کی کوئی ضرورت نہیں لہٰذا منطق کی سیکھنے کی بھی کوئی ضرورت نہیں۔ منطق کے تمام قواعد کو بدیہی اس لیے قرار دیا کہ اگر آپ بدیہی نہیں مانتے تو وہ سب نظری ہوں گے جس سے دور وتسلسل لازم آئے گا اور دور وتسلسل کا باطل ہونا پہلے گزر چکا ہے۔

معارضہ کا جواب یہ ہے کہ ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ اگر قواعدِ منطق کو بدیہی نہ مانا جائے تو لازم آئے گا کہ وہ سب نظری ہوں بلکہ یہاں ایک تیسری قسم ہے جسے ہم اختیار کرتے ہیں اور وہ یہ کہ منطق کے بعض قواعد بدیہی ہیں اور بعض دیگر قواعد نظری ہیں جنہیں بدیہی سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔

پھر مزید یہ کہ ہماری احتیاجِ منطق والی دلیل پر یہ معارضہ ہی درست نہیں کیونکہ اگر اس معارضہ کو صحیح فرض کرلیں تو بھی اس کا نتیجہ صرف یہ ہے کہ منطق کے سیکھنے کی ضرورت نہیں جب کہ ہماری دلیل کا نتیجہ یہ تھا کہ نفسِ منطق کی ضرورت ہے۔ یہ ممکن ہے کہ ایک چیز کی ضرورت ہو لیکن اس کے بدیہی ہونے کی وجہ سے اس کا سیکھنا ضروری نہ ہو۔

موضوع کسے کہتے ہیں؟

البحث الثانی :موضوع علم المنطق۔ موضوع کل علم ما یبحث فیه عن عوارضه التی تلحقه لما هو :أی لذاته أو لما یساویه، أو لجزئه

یعنی ”دوسری بحث علم منطق کے موضوع کے بارے میں۔ ہر علم کا موضوع وہ ہوتا ہے کہ اس علم میں اس کے ان عوارض سے بحث کی جائے جو خود اس کی وجہ سے اس کو لاحق ہوتے ہیں۔ یعنی اس کی ذات یا امر مساوی یا اس کے جزء کے ذریعے۔“

شرح:

مناطقہ کی عادت ہے کہ علم منطق کا موضوع بیان کرنے سے پہلے موضوع کا عام مفہوم سمجھاتے ہیں کیونکہ جب عام موضوع کا مفہوم سمجھ میں آجائے گا تو علم منطق کا موضوع سمجھنا آسان ہوجائے گا۔

ہر علم کا موضوع وہ ہوتا ہے جس کے عوارضِ ذاتیہ سے اس علم میں بحث کی جائے۔ عوارضِ ذاتیہ کو سمجھنے کیلئے یہ بحث پڑھیں:

کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ قضیہ میں محمول موضوع کی ذاتیات میں سے ہوتا ہے جیسے الانسان حیوان ناطق۔ اس میں حیوان ناطق، الانسان کے ذاتیات پر مشتمل ہے اس کو عوارض نہیں کہتے۔ جب محمول موضوع کی حقیقت سے خارج ہو تو اسے عارض کہتے ہیں اور اس کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ اوّل عوارض ذاتیہ، دوم عوارض غریبہ۔ ان کی تفصیل یہ ہے، کل عوارض کی چھ اقسام ہیں:

۱۔ وہ عارض جو ذات معروض کو بغیر کسی واسطے کے عارض ہو جیسے **الانسان متعجب**۔ تعجب انسان کو بغیر کسی واسطے کے صرف انسان ہونے کی وجہ سے لاحق ہوتا ہے۔

۲۔ وہ عارض جو ذات معروض کو کسی امرِ خارج کے واسطے سے لاحق ہو اور وہ امرِ خارج معروض کے مساوی ہو جیسے **الانسان ضاحک**۔ ضحک انسان کو تعجب کے واسطے سے لاحق ہوتا ہے اور تعجب انسان کی حقیقت سے ایک امرِ خارج ہے لیکن اس کا مساوی ہے۔

۳۔ وہ عارض جو ذات معروض کو اس کے جزء کے واسطے سے لاحق ہو جیسے **الانسان متحرک بالإرادة**۔ تحرک بالارادہ انسان کو حیوان کے واسطے سے لاحق ہوتا ہے اور حیوان، انسان کا جزء ہے۔

۴۔ وہ عارض جو ذات معروض کو کسی امرِ خارج کے واسطے سے لاحق ہو اور وہ امرِ خارج معروض سے اعم ہو جیسے **الانسان قاطع للمسافات**۔ قطعِ مسافات انسان کو ماشی ہونے کے واسطے سے لاحق ہے اور ماشی ہونا انسان کا امرِ خارج اعم ہے۔

۵۔ وہ عارض جو ذات معروض کو کسی امرِ خارج کے واسطے سے لاحق ہو اور وہ امرِ خارج معروض سے اَخص ہو جیسے **الحیوان ضاحک**۔ ضحک حیوان کو انسان کے واسطے سے لاحق ہے اور انسان حیوان کا امرِ خارج اَخص ہے۔

۶۔ وہ عارض جو ذات معروض کو ایسے امرِ خارج کے ذریعے لاحق ہو جو اس کا مباین ہو

جیسے الماء حار۔ حرارت، ماء کو بواسطۂ نار کے لاحق ہے جو ماء کی ضد ہے۔

عوارض کی چھ اقسام میں سے پہلی دو بالِاتفاق عوارضِ ذاتیہ ہیں، آخری تین قسمیں بالِاتفاق عوارضِ غریبہ ہیں جب کہ تیسری قسم کے عارضِ ذاتی یا عارضِ غریب ہونے کے بارے میں اختلاف ہے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ ہر علم میں اس کے موضوع کے عوارضِ ذاتیہ سے بحث کی جاتی ہے۔

علم منطق کا موضوع

فموضوع المنطق المعلومات التصورية والتصديقية، لأن المنطقي يبحث عنها من حيث إنها توصل إلى مجهول تصوري أو تصديقي، ومن حيث إنها يتوقف عليها الموصل إلى التصور۔ ككونها كلية، وجزئية، وذاتية، وعرضية، وجنسا، وفصلا، وعرضاً عاماً، وخاصة، ومن حيث إنها يتوقف عليها الموصل إلى التصديق۔ إما توقفا قريبا (ككونها قضية، وعكس قضية، ونقيض قضية)، وإما توقفا بعيدا (ككونها موضوعات ومحمولات)

یعنی ''علم منطق کا موضوع معلوماتِ تصوریہ اور معلوماتِ تصدیقیہ ہیں، کیونکہ منطقی انہی سے بحث کرتا ہے اس حیثیت سے کہ مجہولِ تصوری اور تصدیقی تک پہنچاتی ہیں، اس حیثیت سے کہ ان کے اوپر تصور تک پہنچانے والی شے (موصل) موقوف ہوتی ہے۔ جیسے ان کا کلی ہونا اور جزئی ہونا اور ذاتی ہونا اور عرضی ہونا اور جنس، فصل، عرض عام اور خاصہ ہونا اور اس حیثیت سے کہ ان پر تصدیق تک پہنچانے والی شے (موصل) موقوف ہوتی ہے۔ یہ توقف کبھی تو قریبی ہوتا ہے جیسے ان کا قضیہ، عکس

قضیہ اور نقیض قضیہ ہونا اور یا یہ توقف بعید ہوتا ہے جیسے ان کا موضوعات اور محمولات ہونا۔“

شرح:

علم منطق کا موضوع معلوماتِ تصوریہ اور معلوماتِ تصدیقیہ ہیں، کیونکہ علم منطق سے بحث کرنے والے کا مقصد مجہولات کا حاصل کرنا ہوتا ہے۔ خواہ وہ مجہولات تصوری ہوں یا تصدیقی اور یہ کام معلوماتِ تصوری و تصدیقی کے ذریعے ہوسکتا ہے۔ لہٰذا وہ لازمی طور پر معلوماتِ تصوریہ سے بحث کرتا ہے تا کہ اسے مجہولِ تصوری تک پہنچادیں اور وہ معلوماتِ تصدیقی سے بحث کرتا ہے تا کہ وہ اس کو مجہول تصدیقی تک پہنچادے۔

یہاں تک ”مقدمۂ علمِ منطق“ کی بحث مکمل ہوگئی۔

قول شارح اور حجت

وقد جرت العادة بأن يسمى الموصل إلى التصور قولا شارحا، والموصل إلى التصديق حجة، ويجب تقديم الأول على الثاني وضعا لتقديم التصور على التصديق طبعا۔ لأن كل تصديق لابد فيه من تصور المحكوم عليه إما لذاته، أو بأمر صادق عليه، والمحكوم به كذلك والحكم، لامتناع الحكم ممن جهل أحد هذه الأمور۔

یعنی ”یہ عادت جاری ہے کہ اس چیز کو جو تصور تک پہنچائے (موصل) قولِ شارح کا نام دیتے ہیں اور جو چیز تصدیق تک پہنچائے (موصل) اسے حجت کہتے ہیں۔ اور قولِ شارح کو حجت پر وضع کے اعتبار سے مقدم کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ تصور تصدیق پر طبعاً مقدم ہے۔ (لہٰذا وضع اور

طبع میں موافقت ہونی چاہئے)۔ تصور تصدیق پر طبعاً اس لیے مقدم ہے کیونکہ ہر تصدیق میں ضروری ہے کہ محکوم علیہ کا تصورِ ذاتی ہو یا اس کا تصور کسی ایسے امر کے ذریعے ہو جو اس پر صادق آئے۔ اسی طرح محکوم بہ اور حکم کا تصور بھی ضروری ہے کیونکہ جو ان تینوں امور میں سے کسی ایک سے ناواقف ہوگا وہ حکم نہیں لگا سکتا۔

شرح:

منطق کی مباحث کے دو حصے ہیں:

ا۔ وہ معلومات انسان کو مجہولاتِ تصوریہ تک پہنچائیں۔ لازمی بات ہے کہ یہ معلومات بھی تصوری ہوں گے۔ مناطقہ اس کو قولِ شارح کا نام دیتے ہیں، اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ موصل الی التصور اکثر مرکب ہوتا ہے اور قول، مرکب کے مترادف ہے۔ اسی طرح مجہولِ تصوری اپنی شرح طلب کرتا ہے۔ اس شرح کرنے والے کو قولِ شارح کہتے ہیں، اس کو معرف یا تعریف بھی کہتے ہیں۔

۲۔ وہ معلومات جو مجہولِ تصدیقی تک پہنچائیں اور لازماً یہ معلومات بھی تصدیق ہوں گی، مناطقہ ان کو حجت کہتے ہیں۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ لفظ "حجۃ" حج یحج از باب نصر ہے، جس کا معنی ہوتا ہے غالب ہونا۔ جو شخص حجت کے ذریعے استدلال کرتا ہے تو وہ مخالف پر غالب آ جاتا ہے۔

تصور تصدیق پر طبعاً مقدم ہوتا ہے اور تقدمِ طبعی کی تعریف یہ ہے:

هو أن يكون المتقدم بحيث يحتاج إليه المتأخر، ولا يكون علة له

یعنی "کسی مقدم چیز کا ایسے ہونا کہ مؤخر اس کی محتاج ہو لیکن مقدم، مؤخر کیلئے علت نہ بنے"

یہ ہم پہلے پڑھ چکے ہیں کہ تصدیق میں تصور کا اعتبار ضروری ہے اور تصور کے بغیر تصدیق کا پایا جانا ممکن نہیں، اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ تصور طبعاً مقدم ہے۔

رہی یہ بات کہ تصور تصدیق کیلئے علّت کیوں نہیں ہے؟ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ علّت کے ساتھ معلول کا وجود ضروری ہوتا ہے۔ اگر آپ تصور کو تصدیق کیلئے علّت مان لیں تو لازم آئے گا کہ جہاں بھی تصور ہو وہاں تصدیق ضروری ہو۔ حالانکہ یہ بات بدیہی البطلان ہے۔

تصدیق تصور کا محتاج اس لیے ہے کہ تصدیق میں محکوم علیہ، محکوم بہ اور نسبتِ حکمیہ کا تصور ضروری ہوتا ہے اور اس کے بعد ہی حکم لگتا ہے۔

مصنفؒ نے متن میں فرمایا ہے "**إما لذاته أو بأمرٍ صادقٍ عليه**" اس کا مطلب یہ ہے کہ تصدیق میں محکوم علیہ کا تصور تو ضروری ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ محکوم علیہ کی پوری ذات اور حقیقت ہی کا تصور ہو بلکہ اتنا بھی کافی ہے کہ محکوم علیہ کا کچھ تصور ہو (**تصور بوجه ما**) کیونکہ ہم تصدیق میں بہت سی ایسی چیزوں کو محکوم علیہ بناتے ہیں جن کی مکمل حقیقت سے ہم واقف نہیں۔ جیسے **الله قادر**۔ اس مثال میں اللہ محکوم علیہ ہے۔

حکم کا اطلاق دو معنیٰ پر ہوتا ہے:

۱۔ **النسبة الإيجابية أو السلبية**۔ دو چیزوں کے درمیان جس کا تصور کیا جاتا ہے۔

۲۔ **إيقاع تلك النسبة** (موجبہ میں) **انتزاع تلك النسبة** (سالبہ میں)۔

مصنفؒ کی عبارت "**والحكم لامتناع الحكم ممن جهل أحد هذه الأمور**" میں دو مرتبہ لفظِ حکم استعمال ہوا ہے۔ اس لفظِ حکم سے کیا مراد ہے؟ اس بارے میں چار عقلی احتمال ہو سکتے ہیں:

۱۔ دونوں لفظِ حکم سے مراد **النسبة الايجابية او السلبية** ہو۔

۲۔ دونوں لفظِ حکم سے مراد **ايقاع النسبة او انتزاعها** ہو۔

۳۔ پہلے لفظِ حکم سے مراد نسبت ہو اور دوسرے لفظِ حکم سے مراد ایقاع وانتزاع ہو۔

۴۔ پہلے لفظِ حکم سے مراد ایقاع وانتزاع ہو اور دوسرے لفظِ حکم سے مراد نسبت ہو۔
صحیح احتمال، احتمال نمبر تین ہے۔ مصنفؒ نے ایسا اس لیے کیا ہے تا کہ طالب علم کے ذہن میں حکم کے دونوں مفہوم آ جائیں۔

دلالت کی تین اقسام

واما المقالات فثلاث :المقالة الاولی :فی المفردات، وفیها أربعة فصول۔ الفصل الأول :فی الألفاظ۔ دلالة اللفظ علی المعنی بتوسط الوضع له مطابقة کدلالة الانسان علی الحیوان الناطق، وبتوسطه لما دخل فیه ذلک المعنی تضمن، کدلالته علی الحیوان أو علی الناطق فقط، وبتوسطه لما خرج عنه التزام، کدلالته علی قابل العلم وصنعة الکتابة۔

یعنی ”مقالات کل تین ہیں :پہلا مقالہ مفردات کے بیان میں ہے، اور اس میں چار فصلیں ہیں :پہلی فصل الفاظ کے بیان میں ہے۔ لفظ کی دلالت اپنے معنیٰ پر اس واسطے سے کہ اس کیلئے وضع ہوا ہے دلالتِ مطابقی ہے۔ جیسے انسان کی دلالت حیوانِ ناطق پر۔ اور لفظ کی دلالت معنیٰ پر اس واسطے سے کہ وہ معنیٰ موضوع لہ میں داخل ہے دلالتِ تضمنی ہے جیسے انسان کی دلالت صرف حیوان یا صرف ناطق پر۔ اور لفظ کی دلالت معنیٰ پر اس واسطے سے کہ وہ معنیٰ موضوع لہ سے خارج ہے دلالتِ التزامی ہے جیسے انسان کی دلالت ایسی ذات پر جو علم اور صنعتِ کتابت حاصل کرنے کے قابل ہے۔“

شرح:

علمِ منطق کے مقدمے کی تکمیل کے بعد اب مصنفؒ مقالات شروع کر رہے ہیں۔ پہلا مقالہ تصورات کے بیان میں ہے جو چار فصلوں پر مشتمل ہے:

۱۔ فصلِ اول الفاظ کے بیان میں ہے

۲۔ فصلِ دوم معانی مفردہ کے بیان میں ہے

۳۔ فصلِ سوم کلی اور جزئی کے مباحث کے بیان میں ہے

۴۔ فصلِ چہارم تعریفات کے بیان میں ہے

یہاں سے پہلی فصل شروع ہو رہی ہے۔ایک منطقی اِصالتاً الفاظ سے بحث نہیں کرتا بلکہ اس کی اصل بحث معانی سے ہوتی ہے کیونکہ علمِ منطق کی غرض معلومات سے مجہولات حاصل کرنا اور یہ تحصیل معانی کے ذریعے ہوتی ہے نہ کہ الفاظ کے ذریعے۔لیکن چونکہ معانی بغیر الفاظ کے نہیں آسکتے اور الفاظ ہی کے ذریعے معانی کا سیکھنا سکھانا ہوسکتا ہے اس لیے طبعاً الفاظ سے بھی بحث کی جاتی ہے۔

پھر الفاظ کی ابحاث میں سے بھی پہلی غرض ان کی معانی پر دلالت ہوتی ہے لہٰذا سب سے پہلے دلالات کی بحث شروع کرتے ہیں۔دلالت کی تعریف:

کون الشیء بحالة یلزم من العلم به العلم بشیء آخر

اس تعریف میں پہلی شے سے مراد دال ہے اور دوسری شے سے مراد مدلول ہے۔یعنی کسی شے کا اس طرح ہونا کہ اگر اس کا علم ہو تو دوسری چیز کا علم خود بخود ہو جائے۔اس تعریف میں شے کا لفظ عام رکھا گیا ہے کیونکہ دال لفظ بھی ہوسکتا ہے اور غیرِ لفظ بھی، اسی لیے دلالت کی پھر دو قسمیں ہوتی ہیں، دلالتِ لفظیہ وغیر لفظیہ۔پھر ان دونوں میں سے ہر ایک کی تین تین قسمیں ہیں، عقلیہ، طبعیہ اور وضعیہ۔(اس کی تفصیل تیسیر المنطق میں آپ پڑھ چکے ہیں) اس طرح یہ کل چھ اقسام ہیں، ان چھ میں سے مناطقہ صرف ایک قسم یعنی دلالتِ لفظیہ وضعیہ سے بحث کرتے ہیں۔اس کی تعریف یہ

ہے:

جعل اللفظ بإزاء المعنی الخاص به فی لغة ما

یعنی ''کسی زبان میں کسی لفظ کو کسی معنیٰ کے ساتھ خاص کر دینا''

اس دلالت کی پھر تین قسمیں ہیں، دلالتِ مطابقی، دلالتِ تضمنی اور دلالتِ التزامی۔

دلالتِ مطابقی کی تعریف:

هی دلالة اللفظ علی تمام المعنی بتوسط وضعه له

یعنی ''لفظ کا اپنے پورے معنیٰ موضوع لہ پر دلالت کرنا بواسطہ وضع کے۔''

جیسے انسان کی دلالت حیوانِ ناطق پر، کہ یہ اس کا پورا معنیٰ موضوع لہ ہے۔ اس دلالت کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ جب دو چیزیں بالکل برابر ہوجائیں تو عرب کہتے ہیں **''طابق الشیء بالشیء''** یعنی فلاں چیز فلاں چیز کے برابر ہوگئی۔ اس دلالت میں چونکہ لفظ اور معنیٰ میں مکمل مطابقت ہوتی ہے اس لیے اس کو دلالتِ مطابقی کہتے ہیں۔

دلالتِ تضمنی کی تعریف:

هی دلالة اللفظ علی جزء المعنی بتوسط وضع اللفظ لتمام ذلک المعنی

یعنی ''لفظ کا دلالت کرنا اپنے معنیٰ موضوع لہ کے جزء پر اس واسطے سے کہ وہ لفظ پورے معنیٰ کیلئے وضع ہوا ہے۔'' جیسے انسان کی دلالت صرف حیوان یا صرف ناطق پر، اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس میں معنیٰ مدلول، معنیٰ موضوع لہ کے ضمن میں ہوتا ہے اس لیے اس کو دلالتِ تضمنی کہتے ہیں۔

دلالتِ التزامی کی تعریف:

هی دلالة اللفظ علی معنی خارج عن معناه الاصلی بتوسط

وضعه لتمام معناه

یعنی ''لفظ کا دلالت کرنا ایسے معنیٰ پر جو اس کے معنیٰ موضوع لہ سے خارج ہو اس واسطے سے کہ لفظ اس اصل معنیٰ کیلئے وضع ہوا ہے۔'' جیسے انسان کی دلالت ایسی ذات پر جو علم اور صنعتِ کتابت حاصل کرنے کے قابل ہے۔ دلالت کی اس قسم میں چونکہ معنیٰ موضوع لہ اور معنیٰ مدلول کے درمیان لزوم پایا جاتا ہے اس لیے اس کو دلالتِ التزامی کہتے ہیں۔

مصنفؒ نے عام تعریفات سے ہٹ کر تینوں دلالتوں کی تعریف میں یہ قید **''توسط وضع اللفظ علی تمام المعنی''** لگائی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر ہر تعریف کو اس قید کے ساتھ مقید نہ کیا جائے تو لازم آئے گا کہ ہر تعریف مانع عن دخول الغیر نہ رہے۔

مثال کے طور پر اگر ہم فرض کریں کہ ایک لفظ دو الگ الگ وضعوں میں الگ الگ معانی کیلئے وضع کیا گیا ہے ان میں سے ایک معنیٰ مرکب ہے دو جزؤں سے اور دوسرا معنیٰ اسی پہلے معنیٰ کا ایک جزء ہے جیسے لفظ ''البیت'' وضع کیا گیا ہے پوری عمارت کیلئے بھی اور دوسری وضع کے ساتھ وضع کیا گیا ہے مکان کے اندر ''مسکنِ خاص'' کیلئے بھی۔ پس جب ہم لفظِ بیت کا اطلاق کریں اور اس سے پوری عمارت مراد لیں تو وہ اس پر مطابقتاً دلالت کرے گا اور اس وقت اس کی دلالت مسکنِ خاص پر تضمنی ہوگی اور اسی پر صادق آتا ہے کہ یہ دلالت (بیت کی مسکن خاص پر) دلالتِ مطابقی ہو کیونکہ لفظِ بیت اس کے لئے بھی تو وضع ہوا ہے۔ لیکن جب ''توسط وضع'' کی قید لگا دی گئی تو اب اس صورت میں جب بیت سے مراد پوری عمارت ہے تو اس کی دلالت مسکنِ خاص پر صرف دلالتِ تضمنی ہوگی دلالتِ مطابقی نہیں ہوگی۔ یہ بات تو دلالتِ مطابقی اور تضمنی کے درمیان ہوئی۔

اسی طرح اگر ہم ایک ایسا لفظ لیں جو دو وقتوں میں دو الگ الگ معانی کیلئے وضع ہوا ہے اور ان میں سے ایک معنیٰ دوسرے کیلئے لازم ہے جیسے ہم لفظِ شمس بولیں اور اس سے مراد سورج

کی ٹکیہ لیں تو اس کی یہ دلالت مطابقی ہوگی اور لفظِ شمس کی دلالت ضوئے شمس پر التزامی ہوگی حالانکہ اسی وقت یہ بھی صادق آتا ہے کہ لفظِ شمس کی دلالت ضوئے شمس پر مطابقی ہو کیونکہ لفظِ شمس اس کیلئے بھی وضع کیا گیا ہے۔لیکن جب توسطِ وضع کی قید لگادی تو اب جس وقت شمس کی دلالت سورج کی ٹکیہ پر ہوگی اس وقت ضوئے شمس پر اس کی دلالت محض التزامی ہوگی نہ کہ مطابقی۔

اس ساری تفصیل سے معلوم ہوا کہ توسطِ وضع کی قید لگانا ضروری تھا۔

دلالت التزامی کیلئے ایک شرط

ویشترط فی الدلالة الالتزامیة کون الخارج بحالة یلزم من تصور المسمی فی الذهن تصوره، وإلا لا متنع فهمه من اللفظ، ولا یشترط فیها کونه بحالة یلزم من تحقق المسمی فی الخارج تحققه فیه، کدلالة لفظ العمی علی البصر مع عدم الملازمة بینهما فی الخارج۔

یعنی ”دلالتِ التزامیہ میں یہ شرط ہے کہ وہ امر خارج اس طرح ہو کہ معنیٰ موضوع لہ کے تصور سے اس کا تصور ذہن میں لازم آتا ہو ورنہ لفظ سے اس کا سمجھنا ناممکن ہوگا اور دلالتِ التزامیہ میں یہ شرط نہیں ہے کہ وہ امر خارج اس طرح ہو کہ معنیٰ موضوع لہ کے خارج میں متحقق ہونے سے اس کا بھی خارج میں موجود ہونا لازم آتا ہو۔ جیسے لفظ عمی کی دلالت بصر پر (ان دونوں کے درمیان دلالتِ التزامی ہے) حالانکہ خارج میں یہ ایک دوسرے کو لازم نہیں۔“

شرح:

اس کی تشریح سمجھنے کیلئے پہلے لزوم کی تعریف دیکھیں:

هو عبارة عن ارتباط بين شيئين بحيث إذا وجد احدهما بعينه وجد الآخر، سواء كان في الذهن أو في الخارج

یعنی ''دو چیزوں کے درمیان ایسا ربط ہو کہ اگر ان میں سے ایک پائی جائے تو دوسری بھی پائی جائے، اگر یہ ربط خارج میں ہوگا تو اسے لزومِ خارجی کہیں گے اور اگر صرف ذہن میں ہوگا تو لزومِ ذہنی کہلائے گا۔''

لزوم کی دو تقسیمیں ہیں، اول اس کے محل کے اعتبار سے اور دوم وضوح اور خفا کے اعتبار سے باعتبار محل کے لزوم کی تین قسمیں ہیں:

۱۔لزومِ ذہنی فقط۔ جیسے عمٰی کیلئے ذہن میں بصر لازم ہے لیکن خارج میں ایسا نہیں ہے۔

۲۔لزومِ خارجی فقط۔ جیسے غراب کو سواد لازم ہے اور خارج میں کوئی ایسا غراب نہیں جس میں سواد نہ ہو لیکن ذہن ایسا غراب بھی تصور کرسکتا ہے جس میں سواد نہ ہو۔ لہٰذا یہاں ان دونوں کے درمیان لزومِ ذہنی نہیں ہوگا۔

۳۔لزومِ ذہنی و خارجی۔ جیسے زوجیت اربعہ کیلئے اور شجاعت اسد کیلئے کہ یہ ذہن اور خارج دونوں میں ایک دوسرے کو لازم ہیں۔

دوسری تقسیم کے اعتبار سے لزوم کی دو قسمیں ہیں:

۱۔لزومِ غیرِ بیّن۔ یعنی واقع میں تو لزوم موجود ہو لیکن عقل اس کا یقین اس وقت تک نہ کرے جب تک اس پر استدلال مکمل نہ کرلے۔ جیسے حدوث کا لازم ہونا عالَم کیلئے۔ بس عقل حدوث اور عالم کا تصور الگ الگ کرتی ہے لیکن لزوم کا یقین تب ہی ہوتا ہے جب یہ استدلال مکمل ہو ''**العالم متغير وكل متغير حادث فالعالم حادث**''۔

۲۔لزومِ بیّن۔ یعنی ایسا لزوم جو دلیل کا محتاج نہ ہو پھر اسکی دو قسمیں ہیں:

۱۔ **بیّن بالمعنى الاعم**۔ یعنی جس میں طرفین (ملزوم ولازم) کے تصور کے بعد ذہن کو

لزوم کا یقین ہو جائے۔ جیسے انسان کا علم کے قابل ہونا۔ پس جب طرفین کا تصور کریں گے تو عقل کو لزوم کا یقین ہو جائے گا۔

۲۔ **بیّن بالمعنی الاخص**۔ یعنی اس میں تصدیقِ لزوم کیلئے صرف ملزوم کا تصور ہی کافی ہے اور یہ پہلے سے زیادہ واضح ہوتا ہے۔ جیسے زوجیت اربعۃ کیلئے، حرارت نار کیلئے اور ضوء شمس کیلئے۔

اس تمہید کے بعد اب اصل مسئلے کی طرف آئیں جس کے دو جزء ہیں:

پہلا جزء یہ ہے کہ دلالتِ التزامی میں شرط ہے کہ وہ معنی خارجی جس پر لفظ دلالت کر رہا ہے اس طرح ہو کہ اصل معنی مدلول کے ذہن میں تصور سے اس معنی خارجی کا تصور بھی آ جاتا ہو۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ یہاں لزوم سے مراد "**لزوم بیّن بالمعنی الاخص**" ہے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر آپ اس کو تسلیم نہیں کرتے تو لازم آئے گا کہ لفظ اپنے اصل معنی مدلول سے خارج ہر معنی پر دلالت کرے اور ان تمام معانی کی کوئی انتہا نہ ہو حالانکہ یہ بالکل واضح طور پر غلط ہے۔ لہٰذا یہ شرط لگانی ہوگی کہ معنی مدلول اور معنی لازم کے درمیان لزومِ بیّن بالمعنی الاخص موجود ہو۔

دوسرا جزء یہ ہے کہ دلالتِ التزامی میں یہ شرط نہیں ہے کہ معنیٰ مدلول اور معنیٰ لازم کے درمیان لزومِ خارجی ہو کیونکہ عمیٰ کی دلالت بصر پر دلالتِ التزامی ہے لیکن خارج میں بصر اور عمیٰ ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ عمیٰ کی تعریف ہے:

عدم البصر عما من شأنه أن يكون بصيرا

یعنی "اس کی آنکھوں کا نہ ہونا جس کی شان یہ تھی کہ اس کی آنکھیں ہونی چاہئے تھیں"، اسی لیے لکڑی لوہے پر عمیٰ کا اطلاق کا نہیں ہوتا۔

اقسام ثلاثہ کے درمیان نسبت

والمطابقة لاتستلزم التضمن كما فی البسائط، وأما استلزامها الالتزام فغير متيقن۔ لأن وجود لازم ذهنی لكل

ماهية يلزم من تصورها تصوره غير معلوم، وما قيل :إن تصور كل ماهية يستلزم تصور أنها ليست غيرها فممنوع، ومن هذا تبين عدم استلزام التضمن الالتزام۔ وأما هما فلا يوجدان إلا مع المطابقة، لاستحالة وجود التابع۔ من حيث إنه تابع۔ بدون المتبوع

یعنی ''دلالتِ مطابقی، دلالتِ تضمنی کو لازم نہیں ہے جیسے بسائط میں ہوتا ہے۔ اور دلالتِ مطابقی کا دلالتِ التزامی کو مستلزم ہونا یقینی نہیں ہے۔ کیونکہ ہر ماہیت کیلئے ایسا لازمِ ذہنی ہونا ہمیں معلوم نہیں ہے کہ جس کے تصور سے اس ماہیت کا تصور لازم آتا ہو۔ اور جو یہ کہا گیا ہے کہ ہر ماہیت کے تصور کو اتنا تصور تو لازم ہے کہ وہ ماہیت اپنا غیر نہیں ہے، تو یہ بات ناقابل تسلیم ہے اور اسی سے دلالتِ تضمنی کا دلالتِ التزامی کو مستلزم نہ ہونا واضح ہو گیا۔ رہیں دلالتِ تضمنی اور دلالتِ التزامی تو یہ دونوں دلالتِ مطابقی کے بغیر نہیں پائی جاسکتیں۔ کیونکہ تابع اس حیثیت سے کہ وہ تابع ہو اس کا بغیر متبوع کے پایا جانا محال ہے۔''

شرح:

مصنفؒ یہاں سے دلالت کی تینوں قسموں کے درمیان نسبتِ منطقی بیان کررہے ہیں:

دلالتِ مطابقی چونکہ ''لفظ کی دلالت ہے اپنے پورے معنیٰ پر'' اور یہ کوئی لازم نہیں ہے کہ یہ معنیٰ مرکب ہی ہوں بلکہ یہ ہوسکتا ہے کہ یہ معنیٰ موضوع لہ بسیط ہوں۔ جیسے نقطہ، کہ اس کا کوئی جزء نہیں ہوتا پس اس کی دلالت اپنے معنیٰ پر دلالتِ مطابقی ہوگی اور جزء نہ ہونے کی وجہ سے یہاں تضمنی نہیں پائی جائے گی۔ خلاصہ یہ ہوا کہ دلالتِ مطابقی دلالتِ تضمنی کو مستلزم نہیں ہے۔ اور دونوں کے درمیان عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے۔

دلالتِ مطابقی کا دلالتِ التزامی کو لازم ہونا غیر یقینی ہے کیونکہ عقل اس بات کو جائز رکھتی ہے کہ کوئی ایسا لفظ ہو کہ جو اپنے معنیٰ موضوع لہ پر دلالت کرے اور اس معنیٰ موضوع لہ کا کوئی لازمِ بیّن بالمعنی الاخص نہ ہو لہذا ان دونوں کے درمیان بھی عموم خصوص مطلق کی نسبت ہوگی۔ (اگرچہ ایسا کوئی لفظ معلوم نہیں ہے) ابھی دلالتِ ثلاثہ کے درمیان نسبتوں کا بیان مکمل نہیں ہوا لیکن درمیان میں ایک اختلاف کا ذکر آ گیا ہے:

اختلاف اس بات میں ہے کہ کیا کوئی ایسی ماہیت ہوسکتی ہے جس کا کوئی لازم بیّن بالمعنی الاخص نہ ہو یا نہیں؟

امام رازیؒ کا کہنا یہ ہے کہ ایسا نہیں ہوسکتا بلکہ ہر ماہیت کیلئے لازم بیّن بالمعنی الاخص ضرور ہوگا کیونکہ ہر ماہیت کو اور کوئی چیز لازم ہو یا نہ ہو لیکن اتنی بات ضرور لازم ہوگی کہ وہ ماہیت اپنا غیر نہیں ہے۔ پس ثابت ہو گیا کہ ہر ماہیت کیلئے لازم بیّن بالمعنی الاخص ہوگا۔

مصنفؒ کا کہنا یہ ہے کہ ہر ماہیت کیلئے ایسا لازم ہونا کوئی ضروری نہیں اور امام رازیؒ کی دلیل درست نہیں کیونکہ کئی مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ ہم کسی ماہیت کا تصور کرتے ہیں لیکن ہمارے دل میں اس کے غیر کا بالکل تصور نہیں آتا، چہ جائیکہ اس بات کا تصور آئے کہ یہ ماہیت اپنا غیر نہیں ہے۔

دلالت تضمنی اور التزامی کے درمیان عموم خصوص من وجہ کی نسبت ہوگی۔ ایسی ماہیت جو بسیط ہو لیکن اس کا لازم ذہنی ہو تو وہاں التزامی ہوگی تضمنی نہیں ہوگی۔ اور ایسی ماہیت جو مرکب ہو لیکن اس کا کوئی لازم ذہنی نہ ہو تو وہاں تضمنی ہوگی لیکن التزامی نہیں ہوگی۔ اور جو ماہیت مرکبہ بھی ہو اور اس کا لازم ذہنی بھی ہو تو وہاں تضمنی اور التزامی دونوں ہوں گی۔

اب دلالتِ تضمنی اور دلالتِ التزامی کی دلالتِ مطابقی کے ساتھ نسبت کی بقیہ تفصیل کو یوں بیان کرتے ہیں:

دلالتِ تضمنی اور دلالتِ التزامی، دلالتِ مطابقی کو مستلزم ہیں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ یہ

دونوں دلالتِ مطابقی کی تابع ہیں اور تابع اس حیثیت سے کہ تابع ہو بغیر متبوع کے نہیں پایا جاسکتا پس یہ دونوں دلالت بھی بغیر دلالتِ مطابقی کے نہیں پائی جائیں گی۔

مفرد اور مرکب

والدال بالمطابقة إن قصد بجزئه الدلالة على جزء معناه، فهو المركب كرامي الحجارة، وإلا فهو مفرد

یعنی ''وہ لفظ جو اپنے معنیٰ پر دلالتِ مطابقی کرتا ہے اگر اس کے جزء سے قصد کیا جائے اس کے معنیٰ کے جزء پر دلالت کا تو وہ مرکب ہے۔ جیسے ''**رامي الحجارة**'' ورنہ وہ مفرد ہے۔

شرح:

جیسا کہ ہم پہلے پڑھ چکے ہیں کہ ہر لفظ پہلے پہل اپنے معنیٰ پر مطابقتاً دلالت کرتا ہے پھر اس کے واسطے سے تضمناً یا التزاماً دلالت کرتا ہے۔ اس لیے مصنفؒ نے یہاں تقسیم میں صرف دلالتِ مطابقی کا ذکر کیا کیونکہ اس کے ذکر سے باقی دونوں کا ذکر تبعاً آ ہی گیا ہے۔

وہ لفظ جو اپنے معنیٰ پر مطابقتاً دلالت کرے اس کی دو قسمیں ہیں :اول :مفرد، دوم : مرکب

اگر لفظ کے جزء سے دلالت کا قصد کیا جائے اس کے معنیٰ کے جزء پر تو وہ لفظ مرکب ہوگا ورنہ مفرد ہوگا۔ مرکب کی مثال ''رامي الحجارة'' اور ''قاریٔ الکتاب'' اور ''طالب العلم'' ہے۔ پس مرکب میں چار امور کا پایا جانا ضروری ہے :

ا۔ کہ لفظ کا اپنا جزء ہو

۲۔ اس جزء کے کوئی معنیٰ بھی ہوں

۳۔ اس جزء کے معنیٰ پورے لفظ کے معنیٰ مقصودی کا جزء ہو

۴۔لفظ کے جزء کی دلالت اس معنیٰ کے جزء پر، اس کا قصد کیا گیا ہو

گزشتہ مثالوں پر یہ چاروں باتیں صادق آتی ہیں مثلاً ''رامی الحجارۃ'' اس کا ایک جزء رامی ہے اور اس جزء کے معنیٰ بھی ہیں اور یہ معنیٰ پورے لفظ کے معنیٰ کا جزء بھی ہیں اور اس جزء کی دلالت کا قصد بھی کیا گیا ہے۔

اس پوری تفصیل سے خود معلوم ہو گیا کہ مفرد کی چار صورتیں بنیں گی:

۱۔لفظ کا جزء ہی نہ ہو، جیسے ہمزۂ استفہام، باء جارہ، تاء قسم

۲۔لفظ کا جزء تو ہو لیکن معنیٰ پر دلالت نہ کرتا ہو، جیسے محمود، کہ اس کا میم یا ح کسی معنیٰ پر دلالت نہیں کرتا۔

۳۔لفظ کا جزء دلالت تو کرتا ہو لیکن معنیٰ غیر مقصودی پر، جیسے مرکب اضافی جب علم رکھ دیا گیا ہو مثلاً سیف الاسلام جبکہ یہ کسی شخص کا نام ہے۔اس کا جزء بھی ہے اور وہ معنیٰ پر دلالت بھی کرتا ہے لیکن علم رکھنے کی صورت میں وہ معنیٰ مقصودی کا جزء نہیں ہے۔

۴۔لفظ کا جزء بھی ہو معنیٰ کے جزء پر دلالت بھی کرے لیکن اس دلالت کا قصد نہ کیا گیا ہو، جیسے حیوانِ ناطق اگر کسی کا علم رکھ دیا جائے تو اب اس کے جزء کی دلالت اس کے معنیٰ کے جزء پر تو ہو گی لیکن نام رکھنے کی صورت میں یہ دلالت مقصودی نہیں رہے گی۔

خلاصہ یہ ہوا کہ مرکب کی ایک ہی قسم ہے جس میں چاروں شرطیں پائی جائیں اور مفرد کی چار قسمیں ہوں گی یعنی ہر شرط کے نہ پائے جانے سے ایک قسم بن جائے گی۔

مرکب کی تعریف چونکہ وجودی ہے اور مفرد کی تعریف عدمی، اس لیے مصنفؒ نے مرکب کی تعریف کو مفرد کی تعریف پر مقدم کیا ہے۔

اسم، کلمہ، اداۃ

وهو۔ ان لم یصلح لأن یخبر به وحده فهو الأداة کـ 'فی' و 'لا'

وإن صلح لذلک فإن دل بهیئته علی زمان معین من الأزمنة

الثلاثة فهو الكلمة، وإن لم يدل فهو الاسم۔

یعنی ''اگر مفرد اس بات کی صلاحیت نہیں رکھتا کہ اکیلے اس کے ساتھ خبر دی جائے تو وہ اداۃ ہے جیسا کہ ''فی'' اور ''لا'' اور اگر مفرد اس کی صلاحیت رکھتا ہو تو پھر دیکھیں گے اگر وہ اپنی ہیئت کے ساتھ تینوں زمانوں میں سے کسی متعین زمانے پر دلالت کرتا ہے تو وہ کلمہ ہے اور اگر کسی زمانے پر دلالت نہیں کرتا تو وہ اسم ہے۔''

شرح:

یہ مفرد کی پہلی تقسیم ہے اور اس کی ایک وجہ حصر تو آپ نے ابھی متن میں پڑھ لی اس کی دوسری وجہ حصر یہ ہے:

لفظِ مفرد اگر اس بات کی صلاحیت نہ رکھتا ہو کہ اکیلے اس کے ساتھ خبر دی جائے تو وہ اداۃ ہے اور اگر اس کی صلاحیت رکھتا ہو تو پھر دیکھیں گے کہ وہ اس بات کی صلاحیت رکھتا ہے کہ اس کے بارے میں خبر دی جائے یا یہ صلاحیت نہیں رکھتا۔ اگر وہ اس کی صلاحیت رکھتا کہ اس کے بارے میں خبر دی جائے تو وہ اسم ہے ورنہ کلمہ۔

لفظِ مفرد کی تین قسمیں ہیں :۱۔اداۃ ۲۔اسم ۳۔کلمہ

ان تینوں کی تعریف آپ وجہ حصر کے ضمن میں سمجھ چکے ہیں پھر مناطقہ کے ہاں جو اداۃ، کلمہ اور اسم ہے آپ نحو میں تقریباً یہ سب کچھ حرف، فعل اور اسم کے عنوان سے پڑھ چکے ہیں۔

ان میں سے اداۃ کی پھر دو قسمیں ہیں :

۱۔جو بالکل خبر دینے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو، نہ اکیلے نہ کسی دوسرے کے ساتھ مل کر۔ جیسے فی، من اور تمام حروفِ جارہ وغیرہ۔

۲۔جو خود اکیلے خبر دینے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو، لیکن جب کسی دوسرے کے ساتھ ملے تو خبر میں اس کا بھی دخل ہو۔ جیسے **''النبات لا حجر''** اس مثال میں **''لا''** اداۃ ہے مگر جب خبر کی جگہ

پہ حجر کے ساتھ استعمال ہوا تو اب خبر "**لا حجر**" کا مجموعہ ہے نہ کہ صرف "**حجر**"۔

متن میں کلمہ کی تعریف میں "ہیئت" کی قید ہے۔ "ہیئت" کے معنی ہوتے ہیں کسی لفظ کی وہ صورت جو حرکات، سکنات اور الفاظ کی تقدیم و تاخیر سے حاصل ہوتی ہے۔ یہ قید لگانا اس لیے ضروری ہے کہ بعض اسماء جیسے یوم، لیل، اَمس وغیرہ بھی متعین زمانے پر دلالت کرتے ہیں لیکن ان کی یہ دلالت اپنے مادے یعنی اصل حروف کی وجہ سے ہے نہ کہ ہیئت یعنی شکل کی وجہ سے۔ اس کی مزید تفصیل آپ علمِ صرف میں پڑھ چکے ہیں۔

فائدہ : منطقی جس کو کلمہ کہتے ہیں نحوی اس کو فعل کہتے ہیں منطقیوں کا کلمہ خاص اور نحویوں کا فعل عام ہے جہاں اخص ہوتا ہے وہاں اعم ہوتا ہے اور جہاں اعم ہو وہاں اخص کا ہونا ضروری نہیں لہٰذا اب کلمہ اور فعل میں اعم اخص مطلق کی نسبت ہوگی جہاں کلمہ منطقیوں کا ہوگا وہاں نحویوں کا فعل ہوگا اور جہاں نحویوں کا فعل ہوگا وہاں منطقیوں کے کلمہ کا ہونا ضروری نہیں۔

مادہ اجتماعی "یضرب" اور "تضرب" واحد مذکر غائب اور واحدہ مؤنثہ غا معلقہ یہ کلمہ بھی ہے اور فعل بھی۔ منطقیوں کا کلمہ نہ ہو لیکن نحویوں کا فعل ہو جیسے "تضرب، اضرب" یہ نحویوں کے ہاں فعل ہیں کیونکہ فعل کی تعریف ان پر سچی آرہی ہے لیکن منطقیوں کے نزدیک یہ کلمہ نہیں وجہ فرق یہاں یہ ہے کہ نحوی صورت کا لحاظ کرتے ہیں اور منطقی سیرت (معنی) کا لحاظ کرتے ہیں اور "تضرب، اضرب" وغیرہ کی صورت فعل کی سی ہے اس لیے نحوی اس کو فعل کہتے ہیں لیکن معناً یہ مرکب تام ہیں کیوں؟ "اضرب" میں ہمزہ یہ متکلم پر اور ض رب یہ حدث پر دال ہیں لفظ کی جز و معنی کی جز و پر دلالت کر رہی ہے اس لیے یہ مرکب تام ہیں اور کلمہ تو مفرد کی اقسام میں سے ہے۔

پھر منطقیوں کا اداۃ یہ اعم ہے اور نحویوں کا حرف اخص ہے اس لیے عموم و خصوص مطلق کی نسبت ہے جو نحویوں کا حرف ہوگا وہ منطقیوں کا اداۃ ضرور ہوگا جیسے "من الی" وغیرہ لیکن جو منطقیوں کا اداۃ ہوگا اس کیلئے ضروری نہیں کہ وہ نحویوں کا حرف بھی ہو جیسے "زید کان کاتبا" میں "کان" اداۃ ہے لیکن نحویوں کا حرف نہیں یہاں بھی وجہ فرق وہی ہے کہ منطقی معنی کا لحاظ کرتے ہیں اور نحوی

صورت کا ''کان'' کی صورت چونکہ فعل کی ہے اس لیے نحوی اس کو فعل کہتے ہیں حرف نہیں کہتے اور معنی میں چونکہ یہ ربط کیلئے ہے اور اس وقت یہ تامہ ہے اور اداۃ بھی ربط کا فائدہ دیتا ہے اسی لیے منطقی اس کو اداۃ کہتے ہیں۔

علم، متواطی، مشکک...

قال :"وحينئذ إما أن يكون معناه واحدا أو كثيرا، فإن كان الأول فإن تشخص ذلك المعنى سمى علما، وإلا فمتوا طئا إن استوت أفراده الذهنية والخارجية فيه۔ كا لإنسان، والشمس۔ ومشككا إن كان حصوله فى البعض أولى وأقدم وأشد من الآخر۔ كالوجود بالنسبة إلى الواجب والممكن۔ وإن كان الثانى فإن كان وضعه لتلك المعانى على السوية، فهو المشترك كالعين۔ وإن لم يكن كذلك، بل وضع لأحدهما أولا، ثم نقل إلى الثانى، وحينئذ إن ترك موضوعه الأول يسمى اللفظ منقولا عرفياً إن كان الناقل هو العرف العام۔ كالدابة۔ وشرعياً إن كان الناقل هو الشرع۔ كالصلاة، والصوم۔ واصطلاحياً إن كان هو العرف الخاص۔ كاصطلاح النحاة، والنظار۔ وإن لم يترك موضوعه الأول يسمى بالنسبة إلى المنقول عنه حقيقة، وبالنسبة إلى المنقول إليه مجازا۔ كالأسد بالنسبة إلى الحيوان المفترس والرجل الشجاع۔

یعنی ''پھر دیکھا جائے گا کہ لفظِ مفرد کا معنی ایک ہے یا زیادہ پس اگر اس کا معنی ایک ہے تو اگر وہ معنی مشخص ومتعین ہو تو اس کو ''علم'' کہتے

ہیں۔ اگر اس کے معنی ایک تو ہوں لیکن مشخص و متعین نہ ہوں تو دیکھیں گے کہ اس کے ذہنی اور خارجی افراد اس معنی میں برابر ہیں یا نہیں، اگر برابر ہیں تو ''متواطیٔ '' ہے جیسے انسان اور شمس۔ اگر تمام افراد اس کے برابر نہیں ہیں بلکہ اس معنی کا حصول بعض افراد میں اَولیٰ اور مقدم اور اشد ہے بہ نسبت دوسرے افراد کے تو یہ ''مشکک'' ہے، جیسے ''وجود'' کہ اگر اسے واجب اور ممکن دونوں کے حساب سے دیکھا جائے۔ اور اگر دوسری صورت ہے (کہ لفظ مفرد کے معانی متعددہ ہوں تو) یہ دیکھیں گے کہ ان تمام معانی کیلئے اس لفظ مفرد کی وضع برابر طور پر ہے تو یہ ''مشترک'' ہے۔ جیسے ''العین''۔ اور اگر تمام معانی کیلئے اس کی وضع برابر نہیں ہے بلکہ وہ لفظ مفرد پہلے ایک معنی کیلئے وضع ہوا ہے اور پھر دوسرے کی طرف نقل کیا گیا ہے تو اگر اس لفظ نے پہلا معنی چھوڑ دیا ہے تو اسے ''منقول'' کہیں گے۔ اگر اس لفظِ مفرد کو اصل معنی سے نقل کرنے والا عرف عام ہے تو یہ منقولِ عرفی ہے جیسے ''دابۃ'' اگر یہ ناقل شرع ہے تو یہ منقولِ شرعی ہے۔ جیسے ''صلاۃ و صوم'' اور اگر یہ ناقل عرف خاص ہے تو یہ منقولِ اصطلاحی ہے جیسے ''نحوی اور علم مناظرہ والوں کی اصطلاحات''۔ اگر اس لفظ مفرد نے اپنے پہلے معنی موضوع کو نہیں چھوڑا تو یہ لفظ جب اپنے اصل معنی منقول عنہ میں استعمال ہوگا تو حقیقت ہوگا اور جب نئے معنی منقول الیہ میں استعمال ہوگا تو مجاز ہوگا، جیسے ''اسد کہ ایک خاص درندے کے معنی میں حقیقت ہے اور بہادر آدمی کیلئے مجاز''۔

شرح:

مندرجہ بالا عبارت میں اسم کی نو اقسام کا ذکر آیا ہے:

۱۔جزئی حقیقی یاعلم ۲۔متواطی ۳۔مشکک ۴۔مشترک ۵۔منقولِ عرفی ۶۔منقولِ شرعی ۷۔منقولِ اصطلاحی ۸۔حقیقت ۹۔مجاز

ان سب کی الگ الگ تعریفات ملاحظہ فرمائیے:

علَم : ایسا لفظ مفرد ہے جس کے معنی جزئی حقیقی یعنی متعین ہوں۔ جیسے زید، عمرو، بکر

متواطی : ایسا لفظ مفرد ہے جس کے معنی واحد کلی ہوں اور اس معنی کلی کا صدق تمام افراد پر برابر ہو۔ جیسے انسان کہ یہ اپنے تمام افراد پر مساوی طور پر صادق ہے۔

مشکک : ایسا لفظ مفرد ہے جس کے معنی واحد کلی ہوں اور تمام افراد پر برابر صادق نہ ہوں۔ جیسے ابیض (سفید) اور اسود (سیاہ) کہ سفیدی اور سیاہی اپنے افراد پر برابر طور پر صادق نہیں۔ بعض چیزیں زیادہ سفید ہوتی ہیں اور بعض کم۔ یہی حال سیاہی کا ہے۔

مشترک : ایسا لفظ مفرد ہے کہ جس کے معنی کثیر ہوں اور ہر ایک معنی کے لئے علیحدہ علیحدہ واضع نے اس کو وضع کیا ہو۔ جیسے لفظ عین کہ اس کے بہت سے معانی ہیں، آنکھ، پانی کا چشمہ، زانو، سونا، ذات۔ اور لفظ عین ان سب معانی کے لئے علیحدہ علیحدہ وضع کیا گیا ہے۔

منقول : ایسا لفظ مفرد ہے جو ایک معنی کے لئے وضع کیا گیا ہو اور استعمال دوسرے معنی میں ہونے لگا ہو اور اس معنی میں وہ مشہور بھی ہو گیا ہو۔

ناقل کے اعتبار سے منقول کی تین قسمیں ہیں۔ ۱۔شرعی ۲۔عرفی۔ اصطلاحی

منقول شرعی وہ منقول ہے جس کا ناقل شارع ہو۔ جیسے لفظ صلوٰۃ، صوم کہ صلوٰۃ کا لفظ واضع نے دعا کیلئے وضع کیا تھا۔ لیکن شریعت میں اس سے مراد نماز لیتے ہیں۔ اور لفظ صلوٰۃ اس معنی میں مشہور بھی ہو گیا ہے۔ اسی طرح صوم کے معنی روکنے کے ہیں بعد میں شارع نے اس کو روزہ کے معنی میں استعمال کیا ہے۔

منقول عرفی وہ منقول ہے جس کے ناقل عام لوگ ہوں۔ جیسے لفظ دابہ کہ واضع نے اس کو ہر اس جاندار کے لئے وضع کیا تھا جو زمین پر چلتا ہو۔ خواہ چار پاؤں والا ہو یا اس سے کم پاؤں

والا۔ بعد میں چوپایہ کے معنی میں استعمال کرنے لگے۔

منقول اصطلاحی وہ منقول ہے جس کو کسی خاص جماعت نے نقل کیا ہو۔ جیسے لفظ فعل کہ اس کے معنی لغت میں کام کے ہیں۔ بعد میں نحویوں نے ایسے لفظ کی طرف نقل کیا جو مستقل معنی رکھتا ہو اور اس میں تین زمانوں میں سے کوئی زمانہ پایا جائے۔

حقیقت : ایسا لفظ مفرد ہے کہ جس معنی کیلئے وضع کیا گیا ہو اسی میں استعمال کیا جائے جیسے لفظ اسد بول کر شیر مراد لیں کہ لفظ اسد شیر کے لئے وضع کیا گیا ہے۔ اور یہی معنی مراد بھی ہیں۔

مجاز : ایسا لفظ مفرد ہے کہ جس معنی کیلئے وضع کیا گیا ہو اس کے علاوہ میں استعمال کیا جائے۔ جیسے لفظ اسد بول کر بہادر آدمی مراد ہو۔

یہاں ایک بات کا مزید خیال رکھنا چاہئے کہ معنی منقول عنہ اور منقول الیہ کے درمیان کچھ نہ کچھ مناسبت ضروری ہے جیسے لفظِ صلاۃ کہ اس کا معنی منقول عنہ ''دعاء'' ہے اور معنی منقول الیہ ''عبادت معروفہ'' ہے اور دعاء اور نماز کے درمیان مناسبت واضح ہے۔

مرادف، مباین

وکل لفظ فهو بالنسبة إلى لفظ آخر۔ مرادف له إن توافقا في المعنى، ومباين له إن اختلفا فيه۔

یعنی ''ہر لفظ مفرد دوسرے لفظ کی طرف نسبت کرتے ہوئے دیکھیں گے کہ یہ دونوں معنی میں موافق ہیں یا ایک دوسرے کے مخالف۔ اگر موافق ہیں تو اس کو ''مترادف'' کہتے ہیں اور اگر مختلف ہیں تو ''مباین'' کہتے ہیں''۔

شرح:

پہلے مصنفؒ نے لفظ کی تقسیم اپنے معنی کے اعتبار سے کی تھی، اب کسی بھی دوسرے لفظ کی

طرف نسبت کرتے ہوئے لفظ کی دو اقسام بتائی ہیں ۱ :۔مرادف ۲۔مباین

ترادف کے لغوی معنیٰ ہیں کہ ایک شخص دوسرے کے ساتھ ایک سواری پر شریک ہو۔ اصطلاح میں ترادف کہتے ہیں کہ دو لفظ ایک ہی معنی میں شریک ہیں گویا معنی سواری ہے اور دونوں لفظ اس پر سوار ہیں۔ یہ بات یاد رکھیں کہ ترادف کے معنی ہیں دو لفظوں کا ایک معنی میں شریک ہونا۔ نہ کہ دونوں کا مصداق ایک ہونا۔ اس لیے اگر دو لفظ ایسے ہیں کہ دونوں کے معنی تو مختلف ہیں لیکن دونوں کا مصداق ایک ہے تو وہ مرادف نہیں کہلائیں گے۔ جیسے ناطق اور فصیح۔ سیف اور صارم۔

تباین کے معنی یہ ہیں کہ ایک لفظ کے معنی دوسرے لفظ کے معنی سے بالکل الگ ہوں۔ جیسے ذہب اور حدید۔

مرکب تام وغیر تام کی اقسام

وأما المركب فهو إماتام، وهو الذى يصح السكوت عليه، أو غير تام۔ والتام إن احتمل الصدق والكذب، فهو الخبر والقضية، وإن لم يحتمل فهو الإنشاء۔ فإن دل على طلب الفعل دلالة أولية "أى وضعية" فهو مع الاستعلاء أمر، كقولنا :"اضرب أنت" ومع الخضوع سؤال ودعاء ومع التساوى التماس۔ وإن لم يدل فهو تنبيه ويندرج فيه التمنى، والترجى، والتعجب، والقسم، والنداء۔ وأما غير التام فهو إماتقييدى، كالحيوان الناطق، وإما غير تقييدى، كالمركب من اسم وأداة، أوكلمة وأداة

یعنی ''مرکب یا تو اس پر خاموش ہونا درست ہوگا یا نہیں اگر اس پر خاموش ہونا درست ہوتو وہ مرکب تام ہے ورنہ غیر تام۔ پھر مرکب تام

اگر صدق وکذب کا احتمال رکھتا ہو تو وہ خبر اور قضیہ ہے اور اگر صدق وکذب کا احتمال نہ رکھتا ہو تو وہ انشاء ہے۔ پھر انشاء اگر اوّلی (یعنی وضعی) طور پر طلب فعل پر دلالت کرے اور اس کے ساتھ قائل کا اپنے آپ کو بڑا سمجھنا بھی ہو تو یہ امر ہے۔ جیسے ہمارا یہ کہنا "اضرب انت" اور اگر قائل کی طرف سے عاجزی ہو تو یہ سوال اور دعاء ہے۔ اور اگر قائل اپنے آپ کو برابر سمجھتا ہو تو یہ التماس ہے۔ پھر اگر انشاء طلب فعل پر اوّلی دلالت نہیں کرتا تو یہ تنبیہ ہے اور تنبیہ میں تمنی، ترجی، تعجب، قسم اور نداء شامل ہے۔ اگر مرکب غیر تام ہو تو یا وہ تقییدی ہوگا جیسے "الحیوان الناطق" اور یا غیرِ تقییدی ہوگا جیسے ایک اسم اور ادات سے مرکب یا ایک کلمہ اور ادات سے مرکب"۔

شرح:

مفرد کی تعریف وتقسیم کے بعد اب مرکب کی تقسیم بیان کرتے ہیں، ذیل میں مرکب کی تمام اقسام کی تعریفات ملاحظہ فرمائیے، وجہ حصر ترجمہ سے سمجھ سکتے ہیں:

مرکب کی دو قسمیں ہیں :۱۔تام ۲۔غیرِ تام یا ناقص

مرکبِ تام :ایسے مرکب کو کہتے ہیں کہ جب اس کے کہنے والا خاموش ہو جائے تو سننے والے کو کوئی خبر یا کسی چیز کی طلب کا فائدہ حاصل ہو۔ جیسے **"حامد قرء القرآن"** اور **"اقیمواالصلوٰۃ"**

مرکبِ تام کی دو قسمیں ہیں :۱۔خبر ۲۔انشاء

خبر :ایسے مرکب تام کو کہتے ہیں جس کے کہنے والے کو سچا یا جھوٹا کہا جا سکے جیسے **"جاء محمود"** اسی کو مناطقہ کے عرف میں قضیہ اور تصدیق بھی کہتے ہیں۔

انشاء :ایسے مرکب تام کو کہتے ہیں جس کے کہنے والے کو سچا یا جھوٹا نہ کہہ سکیں۔ اس کی

پھر کئی قسمیں ہیں :

۱۔ امر : وہ انشاء جو اپنی وضع کے اعتبار سے طلبِ فعل پر دلالت کرے اور اس میں استعلاء (یعنی کہنے والے کا اپنے آپ کو بڑا سمجھنا) بھی ہو۔ جیسے "قم" اور "اضرب"

۲۔ دعاء یا سوال : وہ انشاء جو اپنے وضع کے اعتبار سے طلب فعل پر دلالت کرے اور اس میں خضوع (یعنی قائل کی طرف سے عاجزی) بھی ہو۔ جیسے **"یارب اغفر وارحم"**

۳۔ التماس : وہ انشاء جو اپنے وضع کے اعتبار سے طلب فعل پر دلالت کرے اور اس میں تساوی (یعنی قائل کا اپنے آپ کو برابر سمجھنا) بھی ہو جیسے **"یاأخی استمع لی"**

۴۔ تنبیہ : وہ انشاء جو اپنے وضع کے اعتبار سے طلب فعل پر دلالت نہ کرے۔ اس میں تمنی (تمنا کرنا) اور ترجی (امید کرنا) اور قسم (قسم کھانا) اور تعجب (کسی بات پر تعجب کرنا) یہ سب شامل ہیں۔ کیونکہ ان سب میں متکلم مخاطب کو اس بات کی تنبیہ کرتا ہے جو اس کے ذہن میں ہوتی ہے۔

انشاء کی دو قسمیں استفہام اور نہی اس تقسیم میں شامل نہیں، ان کے بارے میں آگے بات آئے گی۔

۲۔ مرکبِ غیر تام یا ناقص : ایسے مرکب کو کہتے ہیں کہ جب کہنے والا خاموش ہو جائے تو سننے والے کو کوئی خبر یا طلب معلوم نہ ہو۔ اس کی دو قسمیں ہیں :

۱۔ تقییدی : جس میں جزء ثانی جزء اول کیلئے قید بنتا ہو۔ پھر اسکی دو قسمیں ہیں:

اول : مرکب اضافی یعنی مضاف مضاف الیہ۔ جیسے **"کتاب اللہ"**۔ دوم : مرکبِ توصیفی یعنی موصوف صفت۔ جیسے **"الحیوان الناطق"**

۲۔ غیر تقییدی : وہ مرکبِ غیر تام جسمیں جزء ثانی جزء اول کیلئے قید نہ بنے۔ جیسے وہ جملہ جو ایک اسم اور ادات سے مرکب ہو (فی الدار) یا وہ جملہ جو ایک کلمہ اور ادات سے مرکب ہو جیسے (قد قام)

مصنفؒ نے انشاء کی جو اقسام بیان کی ہیں ان میں دو قسمیں نہی اور استفہام شامل نہیں ہیں، اب ان کو مندرجہ بالا اقسام میں کیسے شامل کیا جائے تو اس کی دو صورتیں شارحؒ نے بیان کی ہیں:

۱۔ نہی کو امر کے تحت شامل کیا جائے کیونکہ نہی میں بھی کسی فعل کے ترک کو طلب کیا جاتا ہے اور استفہام کو تنبیہ کے تحت شامل مانا جائے حالانکہ استفہام اور تنبیہ کے درمیان کوئی لغوی مناسبت نہیں ہے۔

۲۔ نہی اور استفہام دونوں کو انشاء کی پہلی قسم یعنی طلبِ فعل میں شامل کیا جائے اور یوں کہا جائے کہ انشاء طلبِ فعل پر دلالت کرے گی یا نہیں اگر دلالت نہ کرے تو وہ تنبیہ ہے اور اگر وہ طلبِ فعل پر دلالت کرے تو وہ فعل فہم ہوگا یا نہیں، اگر وہ فعل فہم ہو تو یہ استفہام ہے۔ پھر اگر فعل فہم نہ ہو تو اس میں امر اور نہی شامل ہوگا۔

کلی اور جزئی

الفصل الثانی :فی المعانی المفردة، کل مفهوم جزئی إن منع نفس تصوره من وقوع الشرکة فیه، وکلی إن لم یمنع۔ واللفظ الدال علیهما یسمی کلیا وجزئیا بالعرض

یعنی ''دوسری فصل :معانیٔ مفردہ کے بیان میں ہے۔ ہر مفہوم اگر اس کا نفس تصور اس میں شرکت کے واقع ہونے سے منع کرے تو وہ جزئی ہے۔ اور اگر نہ منع کرے تو وہ کلی ہے۔ (اصل کلی اور جزئی ہونا تو معنی کی صفت ہے) اور لفظ کو جو ان دونوں معنی پر دلالت کرتا ہے تبعاً کلی اور جزئی کہہ دیا جاتا ہے۔''

شرح:

اس سے پہلے افراد و ترکیب کی بحث تھی۔ افراد و ترکیب اصل کے اعتبار سے لفظ کی صفت

ہیں اور پھر مجازاً معنی کو بھی مفرد یا مرکب کہہ دیا جاتا ہے۔ اب یہاں سے معانی کی بحث شروع کر رہے ہیں، کلی وجزئی کی تعریف کرتے ہیں۔ کلی یا جزئی ہونا اصل میں معنی کی صفت ہے لیکن مجازاً لفظ کو بھی اپنے معنی کے اعتبار سے کلی یا جزئی کہہ دیا جاتا ہے۔

معانی مفردہ کی دو قسمیں ہیں : اول جزئی حقیقی، دوم کلی۔

جزئی حقیقی وہ ہے کہ جس کا صرف نفس تصور ہی اس میں شرکت سے مانع ہو یعنی عقل صرف اس کے تصور ہی سے سمجھ جائے کہ اس کا اطلاق ایک سے زیادہ پر نہیں ہوسکتا جیسے ''محمد''

کلی وہ ہے کہ جس کا نفس تصور اس میں شرکت سے مانع نہ ہو یعنی عقل اگر صرف اس کا تصور کرے تو اس کا اطلاق ایک سے زیادہ پر ہوسکتا ہو جیسے ''انسان''

ان دونوں کی تعریفوں میں مصنفؒ نے ''نفس تصورہ'' کی قید اس لیے لگائی ہے کہ کلی کی تعریف جامع ہوجائے اور اس کا کوئی فرد جزئی میں داخل نہ ہو اور جزئی کی تعریف مانع ہوجائے یعنی کوئی کلی اس میں داخل نہ ہو۔ جیسے مثال کے طور پر واجب الوجود ایک کلی ہے۔ عقل میں اپنے نفس تصور کے اعتبار سے یہ کثیر افراد پر صادق آسکتی ہے۔ کیونکہ اگر اس کا نفس تصور ہی شرکت غیر سے مانع ہوتا تو پھر مشرکین کے سامنے اثبات توحید پر دلیل قائم کرنے کی ضرورت نہ رہتی۔ اگرچہ خارج میں اس کلی کا ایک ہی فرد ہے۔ اسی طرح فرضی کلیات جیسے **''لاشیء، لاوجود، لاامکان''** یہ سب ایسی کلیات ہیں کہ ان کا نفس تصور شرکت سے مانع نہیں اور ان کا افرادِ کثیرہ پر صادق آنا عقلی طور پر ممکن ہے حالانکہ خارج میں ان کا کوئی ایک فرد بھی نہیں پایا جاتا۔

اگر کلی کی تعریف میں ''نفس تصورہ'' کی قید نہ ہوتی تو یہ سب کلی کی تعریف سے خارج ہوکر جزئی کی تعریف میں شامل ہوجاتی۔ یہاں یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ بعض کلیات ایسی بھی ہیں کہ خارج میں ان کا کوئی فرد نہیں ہوتا۔

کلی اور جزئی کی وجہ تسمیہ:

کلی کا معنی ہے ”**ماینسب الی الکل**“یعنی جو اپنے کل کی طرف منسوب ہو۔مثلاً انسان، یہ کلی ہے کیونکہ یہ خود زید، عمرو، بکر کا جزء ہے۔ اور اپنے کل یعنی انہی اشخاص کی طرف منسوب ہے۔اس لیے اس کو کلی کہتے ہیں۔

جزئی کا معنی ہے ”**ماینسب الی الجزء**“یعنی جو اپنے جزء کی طرف منسوب ہو۔مثلاً زید کہ یہ انسان کا کل ہے اور اپنے جزء یعنی انسان کی طرف منسوب ہے، اسی لیے اس کو جزئی کہتے ہیں۔

نوع کی تعریف و تقسیم

والکلی إما أن یکون تمام ماھیة ماتحته من الجزئیات، أو داخلا فیھا أو خارجا عنھا، والأول ھو النوع الحقیقی سواء کان متعدد الأشخاص، وھو المقول فی جواب ماھو بحسب الشرکة والخصوصیة معا، کالإنسان، أو غیر متعدد الأشخاص وھو المقول فی جواب ماھو بحسب الخصوصیة المحضة کالشمس، فھو إذن کلی مقول علی واحد أو علی کثیرین متفقین بالحقائق فی جواب ماھو۔

یعنی ”کلی یا تو ان تمام جزئیات کی تمام ماہیت ہوگی جو اس کے تحت داخل ہیں یا ان میں داخل ہوگی یا ان سے خارج ہوگی۔پہلی صورت ”نوع“ ہے خواہ اس کے اشخاص متعدد ہوں اور یہ ماہو کے جواب میں شرکت اور خصوصیت دونوں کے لحاظ سے بولی جاتی ہے جیسے انسان۔ یا وہ (نوع) ایسی ہو کہ اس کے اشخاص متعدد نہ ہوں تو یہ صرف خصوصیت کے لحاظ سے ماہو کے جواب میں بولی جاتی ہے جیسے ”شمس“۔اب نوع وہ کلی ہے جو ماہو کے جواب میں ایک یا ان زیادہ افراد پر بولی جائے جن

سب کی حقیقتیں آپس میں متفق ہوں۔"

شرح:

جب مصنفؒ نے کلی اور جزئی کے درمیان فرق واضح کر دیا تو اب کلی کی تقسیم کرتے ہیں کیونکہ یہ مقالہ اولیٰ کے مبادیات میں سے ہے۔ مقالہ اولیٰ مجہولاتِ تصوریہ تک پہنچانے والی چیز یعنی قولِ شارح کے بیان میں ہے۔ منطقی جزئی سے بحث نہیں کرتا کیونکہ اس کی غرض معلومات کو مرتب کر کے مجہولات تک پہنچنا ہوتا ہے۔ اور یہ چیز صرف کلی سے حاصل ہوتی ہے جزئی سے نہیں۔ جزئی کا تعلق تو حسیات سے ہوتا ہے۔

کلی کی اقسام خمسہ کی وجہ حصر یہ ہے:

کلی اپنے تحت شامل ہونے والی جزئیات کی ماہیت کا عین ہوگی یا ان میں داخل ہوگی یا ان سے خارج ہوگی، اگر کلی اپنی جزئیات سے خارج ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں یا تو ان جزئیات کی حقیقت ایک ہوگی یا مختلف۔ اگر ایک ہو تو اس کو خاصہ کہتے ہیں اور اگر ان جزئیات کی حقیقتیں مختلف ہوں تو اسے عرض عام کہتے ہیں۔ اگر کلی اپنے ماتحت جزئیات کی ماہیت کا عین ہو تو اس کو نوع کہتے ہیں اور اگر اس میں داخل ہو تو پھر دو صورتیں ہوں گی۔ یا تو یہ کلی اس ماہیت اور دوسری ماہیت کے درمیان تمامِ مشترک ہوگی یا نہیں۔ اگر تمامِ مشترک ہو تو جنس ہے۔ اگر تمامِ مشترک نہ ہو تو پھر دو صورتیں بنیں گی کہ بالکل ہی مشترک نہ ہو یا بعض میں مشترک ہو، دونوں صورتوں میں اس کو فصل کہتے ہیں۔

مندرجہ بالا عبارت میں مصنفؒ نے پہلی قسم یعنی نوع کی تعریف اور تقسیم کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ مصنفؒ نے جو نوع کی تعریف کی ہے وہ تو آپ متن میں دیکھ چکے ہیں۔ اس تعریف میں لفظ کلی جنس ہے جو تمام کلیات کو شامل ہے۔ "**المقول علی واحد**" اس لیے کہا تا کہ تعریف میں نوع غیر متعدد الاشخاص آجائے۔ "**او علی کثیرین**" اس لیے کہا کہ نوع متعدد الاشخاص بھی شامل ہو جائے۔ "**متفقین بالحقائق**" پہلی فصل ہے جس سے جنس نکل

جاتی ہے کیونکہ وہ مختلف بالحقائق پر بولی جاتی ہے۔ "**فی جواب ماھو**" یہ دوسری فصل ہے جس سے فصل اور خاصہ اور عرض عام نکل جاتے ہیں۔ کیونکہ فصل اور خاصہ "**ای شیء**" کے جواب میں بولے جاتے ہیں۔ اور عرض عام کسی کے جواب میں نہیں آتا۔

شارح طویل بحث کے بعد کہتے ہیں کہ اس تعریف میں سے لفظ "کلی" اور لفظ "علی واحد" کو حذف ہونا چاہئے اور صحیح تعریف صرف یہ ہے:

النوع هو المقول علی کثیرین متفقین بالحقائق فی جواب ماهو

مصنفؒ کے نزدیک نوع کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ نوع متعدد الاشخاص : وہ کلی ہے جو ماہو کے جواب میں شرکت اور خصوصیت دونوں کے لحاظ سے ایک ساتھ بولی جائے جیسے "انسان"۔ اس کے ساتھ جتنے افراد ہیں ان افراد کو لے کر جب سوال کیا جائے گا تو جواب میں انسان واقع ہوگا کیونکہ یہ انسان ہی ان سب کی قدر مشترک اور خصوصیت ہے۔

۲۔ نوع غیر متعدد الاشخاص : وہ کلی ہے جو ماہو کے جواب میں صرف خصوصیت کے لحاظ سے بولی جائے جیسے "شمس"۔ خارج میں اس کے صرف ایک ہی فرد ہے اب جب بھی شمس کے بارے میں سوال کیا جائے گا تو اس کی ماہیتِ مختصّہ ہی مطلوب ہوگی۔ ماہیتِ مشترکہ کے بارے میں یہاں سوال نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ خارج میں شمس کا کوئی مشترک فرد نہیں۔ صرف ایک فرد ہے۔

شارحؒ کے مطابق متن کی یہ تقسیم درست نہیں اور یہ فن منطق سے خروج ہے۔ منطق میں افراد خارجیہ کی رعایت نہیں کی جاتی کہ آپ اس کے پیش نظر نوع کی تقسیم کرتے رہیں بلکہ اس فن کی نظر عام ہوتی ہے۔ اس میں موجوداتِ خارجیہ اور ذہنیہ برابر ہوتے ہیں لہٰذا نوع کی یہ تقسیم غلط ہے۔

جنس کی تعریف

وإن کان الثانی : فإن کان تمام الجزء المشترک بینها و بین

نوع آخر فهو المقول فی جواب ما هو بحسب الشرکة المحضة، ویسمی جنسا، ورسموه بأنه ، کلی مقول علی کثیرین مختلفین بالحقائق فی جواب ماهو

یعنی ''اگر دوسری صورت ہو (کہ کلی اپنے ماتحت جزئیات کی ماہیت میں داخل ہو) تو اگر وہ اس ماہیت اور کسی دوسری نوع کے درمیان تمامِ جزءِ مشترک ہے تو وہ ماہو کے جواب میں صرف شرکت کے اعتبار سے بولی جائے گی۔ اس کلی کو جنس کہتے ہیں۔ اہل منطق اس کی تعریف یوں کرتے ہیں : جنس وہ کلی ہے جو ماہو کے جواب میں ان کثیر افراد پر بولی جائے جن کی حقیقتیں باہم مختلف ہوں۔''

شرح:

کلی کی دوسری قسم وہ ہے جو اپنے ماتحت جزئیات کی ماہیت میں داخل یعنی اس کا جز ہوتی ہے اور ایسی کلیات دو ہیں :ا۔جنس ۲۔فصل

پھر اگر ایسی کلی اس ماہیت اور کسی دوسری نوع کے درمیان تمامِ مشترک ہو تو یہ جنس ہے۔فصل کی بحث آگے آئے گی۔

تمامِ مشترک سے مراد وہ جزء ہے جو اس ماہیت اور کسی دوسری نوع کے درمیان مشترک اجزاء میں سے سب سے آخری جزء ہو کہ اس کے بعد ان دونوں کے درمیان کوئی چیز مشترک نہ ہو۔ جیسے حیوان کہ اس کی ماہیت انسان اور دوسری نوع یعنی فرس، اس کے بعد کسی اور چیز میں مشترک نہیں ہے۔پس حیوان، انسان اور فرس کے درمیان تمامِ مشترک ہے۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ انسان اور فرس کے درمیان اور بھی کئی اجزائے مشترکہ ہیں۔ یہ دونوں جسم نامی ہیں اور پھر دونوں مطلقِ جسم ہیں پھر دونوں حساس ہیں پھر دونوں جوہر ہیں لیکن یہ تمام اجزاء، تمامِ مشترک نہیں کیونکہ ان سب کے بعد کوئی نہ کوئی اور بھی جزء مشترک ہے جیسے

جوہر کے بعد جسم، جسم کے بعد حساس، حساس کے بعد جسم نامی، اور جسم نامی کے بعد حیوان۔ لیکن حیوان کے بعد کوئی اور جزء مشترک نہیں۔ اسی لیے یہ تمامِ مشترک ہے۔

مصنفؒ نے جنس کی جو تعریف کی ہے اس میں لفظ "**الکلّی**" زائد ہے اور لفظ "**مقول علی کثیرین**" جنس ہے جس میں تمام کلیات شامل ہیں۔ "**مختلفین بالحقائق**" فصل اول ہے جس سے نوع نکل جاتی ہے۔ "**فی جواب ماھو**" فصل ثانی ہے جس سے فصل خاصہ اور عرض عام نکل جاتے ہیں۔

جنس کی تقسیم

وهو قريب إن كان الجواب عن الماهية۔ وعن بعض مايشاركها فيه عين الجواب عنها، وعن كل ما يشاركها فيه، كالحيوان بالنسبة إلى الإنسان، وبعيد إن كان الجواب عنها۔ وعن بعض مايشاركها فيه غير الجواب عنها، وعن بعض آخر۔ ويكون هناك جوابان إن كان بعيدا بمرتبة واحدة ، كالجسم النامى بالنسبة إلى الإنسان، وثلاثة أجوبة إن كان بعيدا بمرتبتين كالجسم، واربع أجوبة إن كان بعيدا بثلاث مراتب كالجوهر، وعلى هذا القياس۔

یعنی "جنس قریب ہوگی اگر ماہیت اور اسکے بعض مشارکات فی الجنس کا جواب بالکل وہی جواب ہو جو اس ماہیت اور اس کے تمام مشارکات فی الجنس کے ہیں۔ جیسے حیوان بنسبت انسان کے۔ جنس بعید ہوگی اگر ماہیت اور اس کے بعض مشارکات فی الجنس کا جواب اس جواب کے علاوہ ہو جو اس ماہیت اور دوسرے بعض مشارکات کا ہے۔ اور یہاں دو جواب ہوں گے اگر جنس ایک درجہ بعید ہو۔ جیسے جسم نامی بنسبت

انسان کے۔ اور تین جواب ہوں گے اگر جنس دو درجے بعید ہو جیسے
جسم۔ اور چار جواب ہوں گے اگر جنس تین درجے بعید ہو جیسے جوہر۔
اور اسی طرح قیاس کرتے جائیں۔''

شرح:

مناطقہ نے طلبہ کی سہولت کیلئے اجناس کی ایک خاص ترتیب اور تعریف مقرر کی ہے تا کہ مثال دینے میں آسانی رہے۔

انسان : حیوانِ ناطق

حیوان : **ھو جسم نام حساس متحرک بالارادۃ**

جسم نام : **ھو الذی یمد الی الابعاد الثلاثۃ (الطول، العرض، العمق)**

جسم : **شی لہ ابعاد ثلثہ و لا امتداد لہ**

جوہر : **ھو الذی یکون قائما بذاتہ فی الخارج**

مندرجہ بالا عبارت میں مصنفؒ نے جنس کی دو قسمیں بیان کی ہیں :

۱۔ جنس قریب : اگر ماہیت اور اس کے بعض مشارکات فی الجنس کے جواب میں جو کلی واقع ہو، اگر وہی کلی اس ماہیت اور اس کے دیگر تمام مشارکات فی الجنس کے جواب میں بھی واقع ہو، تو وہ جنس قریب ہے۔ جیسے حیوان انسان کیلئے جنس قریب ہے، کیونکہ انسان کے ساتھ جتنی اشیاء وصف حیوانیت میں شریک ہیں، ان سب کے جواب میں حیوان واقع ہوتا ہے، چنانچہ جب انسان اور فرس کو لے کر سوال کیا جائے تو جواب میں حیوان واقع ہوگا، اب یہ حیوان ایسی کلی ہے کہ انسان کے ساتھ جتنی چیزیں حیوانیت میں شریک ہیں ان سب کے جواب میں یہی کلی واقع ہوتی ہے۔

۲۔ جنس بعید : اگر ماہیت اور اس کے بعض مشارکات فی الجنس کے جواب میں جو کلی واقع ہو وہ کلی اس ماہیت اور اس کے دیگر تمام مشارکات فی الجنس کے جواب میں واقع نہ ہو تو وہ جنس بعید

ہے۔ جیسے جب انسان وبقر اور نباتات کو لے کر سوال کیا جائے، تو جواب جسم نامی ہوگا، کیونکہ یہی ان کے درمیان تمام جزء مشترک ہے، لیکن اگر انسان وبقر کے بارے میں سوال ہو، تو جواب ''حیوان'' ہوگا، کیونکہ یہی ان کے درمیان جزء مشترک ہے، اب یہاں جواب میں ایک ہی کلی واقع نہیں ہوئی، بلکہ پہلے جواب میں جسم نامی اور دوسرے میں حیوان واقع ہوا ہے، اس لیے یہ جنس بعید ہے۔

پھر اگر جنس ایک درجہ بعید ہوتو دو جواب واقع ہوں گے جیسے جسم نامی انسان کے لحاظ سے، کیونکہ انسان اور جسم نامی کے درمیان صرف ایک مرتبہ ہے اور وہ ''حیوان'' ہے، اس صورت میں دو جواب اس طرح ہوں گے کہ اگر انسان اور اس کے مشارکات حیوانیہ کو لے کر سوال کیا جائے تو جواب حیوان آئے گا، اور اس کے ساتھ نباتات کو بھی شامل کرلیا جائے تو جواب جسم نامی آئے گا۔

اور اگر جنس دو درجہ بعید ہوتو تین جواب ہوں گے کہ اگر انسان، بقر، شجر اور حجر کو لے کر سوال کیا جائے تو جواب جسم مطلق ہوگا۔ باقی دو جواب اسی طرح ہیں جس طرح پہلے بیان ہوئے ہیں اور اگر جنس تین درجہ بعید ہوتو چار جواب ہوں گے، جیسے جوہر **''بالنسبة الی الانسان''** کیونکہ اگر انسان اور مشارکات عقلیہ کو لے کر سوال کیا جائے تو جواب ''جوہر'' ہوگا اور اگر انسان اور جمادات کو لے کر سوال کیا جائے تو جواب جسم مطلق ہوگا، اور اگر انسان اور مشارکات نامیہ کو لے کر سوال کیا جائے تو جواب جسم نامی ہوگا اور اگر انسان اور مشارکات حیوانیہ کو لے کر سوال کیا جائے تو جواب جنس قریب یعنی حیوان ہوگا، حاصل یہ ہے کہ جب بُعد بڑھے گا تو جواب کا عدد بھی بڑھے گا اور مراتب بُعد پر جواب کا ایک عدد زائد ہوگا، اگر بُعد ایک درجہ کا ہے تو جواب دو ہوں گے وعلی ہذا القیاس۔ کیونکہ جنس قریب ایک جواب تو سب کے ساتھ ہے، باقی جس طرح بُعد کے درجات ہوں گے، اسی طرح جوابات کے عدد بڑھتے چلے جائیں گے، جیسے جسم نامی اور انسان کے درمیان صرف حیوان کا واسطہ ہے، یہاں واسطہ اگرچہ ایک ہے تاہم جواب کا عدد بڑھ جائے گا، اور یوں

کہا جائے گا کہ جنس اگر ایک مرتبہ بعید ہو تو دو جواب ہوں گے اس لیے کہ ایک جواب جنس قریب تو متعین ہے۔

تمام مشترک، بعض مشترک

وأن لم يكن تمام المشترک بينها و بين نوع آخر، فلا بد إما أن لايكون مشتركا بين الماهية وبين نوع آخر أصلا۔ كالناطق بالنسبة إلى الإنسان أو يكون بعضا من تمام المشترک مساويا له كالحساس۔ وإلا لكان مشتركا بين الماهية وبين نوع آخر، ولا يجوز أن يكون تمام المشترک بالنسبة إلى ذلک النوع، لأن المقدر خلافه بل بعضه، ولا يتسلسل بل ينتهى إلى ما يساويه فيكون فصل جنس، وكيفما كان يميز الماهية عن مشاركها فی جنس أو فی وجود فكان فصلا۔

یعنی ''اگر وہ کلی اس ماہیت اور کسی دوسری نوع کے درمیان تمام مشترک نہ ہو تو لازمی طور پر یا تو وہ اس ماہیت اور کسی دوسری نوع کے درمیان بالکل مشترک نہ ہوگی جیسے ناطق، انسان کیلئے۔ یا تمام مشترک کا بعض ہوگی اور اس کے مساوی ہوگی جیسے حساس۔ ورنہ وہ ماہیت اور کسی دوسرے نوع کے درمیان مشترک ہوگی۔ اس صورت میں یہ جائز نہیں کہ یہ اس نوع کی تمامِ مشترک ہو کیونکہ ہم نے اس کے خلاف فرض کیا ہے۔ البتہ یہ بعضِ مشترک ہوگی۔ یہاں تسلسل لازم نہیں آئے گا کیونکہ یہ سلسلہ ایک امر مساوی پر منتہی ہوگا اور وہ جنس کی فصل ہوگی۔ جیسا بھی ہو بہر حال وہ کلی ماہیت کو اس کے مشارکات فی الجنس یا مشارکات

فی الوجود سے تمیز دے گی۔ پس یہی فصل ہے۔''

شرح:

اس عبارت سے مصنفؒ تیسری کلی یعنی فصل کی بحث شروع کر رہے ہیں۔ فصل کی دو صورتیں بنائی ہیں: اول یہ کہ وہ اپنی ماہیت اور کسی دوسری نوع کے درمیان بالکل مشترک نہ ہو۔ جیسے ناطق کہ یہ انسان کے ساتھ کسی دوسرے نوع میں مشترک نہیں۔ دوم یہ کہ وہ ماہیت اور کسی دوسری نوع کے درمیان مشترک تو ہو لیکن تمامِ مشترک نہ ہو بلکہ بعضِ مشترک ہو۔ جیسے حساس۔ آنے والی بحث اسی دوسری صورت کے متعلق ہے۔

تمامِ مشترک کا جو بعض ہوگا اس کیلئے ضروری ہے کہ وہ اس کا مساوی ہو۔ عقلی طور پر تو یہاں چاروں احتمال ہو سکتے ہیں کہ یہ بعض اپنے تمامِ مشترک کا مباین ہو یا اس سے اخص ہو یا اس سے اعم ہو یا اس کے مساوی ہو۔ ان میں سے مساوی ہونے کے علاوہ باقی تینوں احتمالات غلط ہیں۔

یہاں ایک اور اہم بحث ہے جس کی طرف مصنفؒ نے **"وکیف ماکان یمیز الماهیة عن مشارکیهافی جنس أووجود"** کہہ کر اشارہ کیا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے:

ماہیت دو طرح کی ہوتی ہیں: اول تو وہ جو جنس اور فصل سے مرکب ہو، ایسی ماہیت کیلئے تو فصل یقیناً اس کے مشارکات فی الجنس سے تمیز دے گی اور عام طور پر تمام ماہیات اسی قسم کی ہیں۔ دوسری قسم ماہیت کی وہ ہے جو جزئین متساوین ''دو برابر اجزاء'' سے مرکب ہو۔ ان دونوں اجزاء میں سے ہر ایک دوسرے کیلئے فصل بنے گی لیکن ایسی ماہیت کی کوئی جنس نہیں ہوگی۔ تو ایسی ماہیت کو فصل صرف مشارکات فی الوجود ہی سے تمیز دے گی کیونکہ اس کے مشارکات فی الجنس تو ہیں ہی نہیں۔ اب ایسی ماہیت کا پایا جانا جس کیلئے فصل ہو لیکن جنس نہ ہو، یہ ممکن ہے یا نہیں؟ یہ مسئلہ اختلافی ہے۔

شیخ بوعلی سینا سمیت متقدمین مناطقہ اس بات کے قائل ہیں کہ ایسی کوئی ماہیت نہیں ہو سکتی

جس کی فصل تو ہو لیکن جنس نہ ہو۔ گویا ان کے نزدیک ایسی کوئی ماہیت نہیں ہو سکتی جو امرین متساویین یا امورِ متساویہ سے مرکب ہو۔

ہمارے مصنفؒ اور متاخرین مناطقہ اس بات کے قائل ہیں کہ ایسی ماہیت کا پایا جانا ممکن ہے جس کی فصل تو ہو لیکن جنس نہ ہو۔ شارحؒ نے اس مقام پر تو مصنفؒ کی ہمنوائی کی ہے لیکن کچھ آگے جا کر پھر اس رائے کو ضعیف قرار دیا ہے۔

فصل کی تعریف

ورسموه بأنه كلي يحمل على الشيء في جواب أي شيء هو في جوهره، فعلى هذا لو تركبت حقيقة من أمرين متساويين أو أمور متساوية كان كل منها فصلا لها لأنه يميزها عن مشاركها في الوجود.

یعنی "اہل منطق نے فصل کی تعریف یوں کی ہے کہ وہ ایسی کلی ہے جو کسی شے پر "**اى شىء هو فى جوهره**" کے جواب میں محمول ہو۔ پس (اس پر تفریع کرتے ہوئے کہا جا سکتا ہے) اگر کوئی حقیقت دو برابر امروں یا کئی برابر امور سے مرکب ہو تو ان امور میں سے ہر ایک دوسرے کیلئے فصل ہو گی کیونکہ وہ اس کو اس کے مشارکات فی الوجود سے تمیز دے گی۔ (اور ایسی حقیقت کی کوئی جنس نہیں ہوگی)۔

شرح:

یہ فصل کی تعریف ہے۔ اس میں "**الكلى**" جنس ہے جو تمام کلیات میں شامل ہے اور یہ الفاظ "**يحمل على الشىء فى جواب اى شىء هو**" فصل ہے۔ اس کے ذریعے جنس نوع اور عرضِ عام نکل جاتے ہیں کیونکہ جنس اور نوع تو "**ماهو**" کے جواب میں بولے جاتے ہیں اور

عرض عام کسی کے جواب میں نہیں بولا جاتا۔ اور "**فی جوهره**" بھی فصل ہے۔ اس کے ذریعے خاصہ نکل جاتا ہے۔

فصل کی تقسیم

والفصل المميز للنوع عن مشاركيه فی الجنس قريب إن ميزه عنه فی جنس قريب كالناطق للإنسان، وبعيد إن ميزه عنه فی جنس بعيد كالحساس للإنسان۔

یعنی "جو فصل یعنی نوع کو اس کے جنس میں شرکاء سے تمیز دینے والی ہو تو اگر وہ جنس قریب میں تمیز دے تو وہ فصل قریب ہے۔ جیسے انسان کیلئے ناطق۔ اور اگر وہ نوع کو جنس بعید میں تمیز دے تو وہ فصل بعید ہے، جیسے حساس انسان کیلئے۔"

شرح:

فصل کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ فصل قریب : وہ ہوتی ہے، جو ماہیت کو جنس قریب کے مشارکات سے ممتاز کرے جیسے ناطق انسان کے لئے فصل قریب ہے، کیونکہ یہ انسان کو ان چیزوں سے تمیز دیتی ہے، جو اس کے ساتھ جنس قریب یعنی حیوان میں شریک ہیں۔

۲۔ فصل بعید : وہ ہوتی ہے، جو ماہیت کو جنس بعید کے مشارکات سے تمیز دے، جیسے انسان کیلئے حساس فصل بعید ہے کیونکہ یہ انسان کو ان چیزوں سے تمیز دیتا ہے، جو اس کے ساتھ جنس بعید یعنی جسم نامی میں شریک ہیں۔

لزوم کی تعریف و تقسیم

وأما الثالث فإن امتنع انفكاكه عن الماهية فهو العرض اللازم، وإلا فهو العرض المفارق، واللازم قد يكون لازما للوجود كالسواد للحبشى، وقد يكون لازما للماهية كالزوجية للأربعة، وهو إما بين، وهو الذين يكون تصوره مع تصور ملزومه كافيا فى جزم الذهن باللزوم بينهما، كالانقسام بمتساويين للأربعة، وإما غير بين وهو الذى يفتقر جزم الذهن باللزوم بينهما إلى وسط كتساوى الزوايا الثلاث للقائمتين للمثلث، وقد يقال :البين على اللازم الذى يلزم من تصور ملزومه تصوره، والأول أعم، والعرض المفارق إما سريع الزوال۔ كحمرة الخجل وصفرة الوجل وإما بطيئة كالشيب والشباب۔

یعنی ''(اس سلسلے کی) تیسری کلی، اگر اس کا ماہیت سے جدا ہونا ممکن نہ ہو تو وہ عرض لازم ہے ورنہ عرض مفارق ہے، اور عرض لازم کبھی وجود کو لازم ہوتا ہے جیسے سواد حبشی کیلئے۔ اور کبھی یہ ماہیت پہ لازم ہوتا جیسے چار کیلئے جفت ہونا اور وہ یعنی لازم یا تو بین ہوگا اور وہ یہ ہے کہ اس کا تصور ملزوم کے تصور کے ساتھ ان دونوں میں لزوم کا یقین حاصل کرنے کیلئے کافی ہو جیسے چار کا دو برابر حصوں میں تقسیم ہونا اور یا یہ لازم غیر بین ہوگا اور وہ یہ ہے کہ ان (لازم اور ملزوم) میں ذہن کا ان دونوں کے درمیان لزوم کو یقین کر لینا ایک واسطے کی طرف محتاج ہو، جیسے (ریاضی کا یہ اصول کہ) مثلث کے تین زاویے قائمتین کے برابر ہوتے ہیں۔ کبھی بین کا اطلاق اس لازم پر بھی کیا جاتا ہے جس کے ملزوم کے تصور سے اس کا تصور لازم

ہو اور پہلا معنیٰ زیادہ عام ہے۔ عرض مفارق یا تو جلد ہی زائل ہو جاتا ہے
جیسے پشیمانی کی سرخی اور خوف کے وقت کی زردی۔ یا آہستہ آہستہ زائل
ہوتا ہے جیسے بڑھاپا اور جوانی۔''

شرح:

لازم ماہیت کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ لازم بین : وہ ہوتا ہے جس میں لازم وملزوم کے تصور سے عقل کو جزم باللزوم حاصل ہو جائے جیسے چار کا برابر تقسیم ہونا، کیونکہ جو شخص چار کا اور اس کے برابر تقسیم ہونے کا تصور کر لے تو اسے ان دونوں کے درمیان لزوم کا یقین ہو جاتا ہے، اسے پھر اس کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہوتی۔

۲۔ لازم غیر بین : وہ ہوتا ہے جس میں لازم وملزوم کے تصور سے عقل کو ان کے درمیان جزم باللزوم حاصل نہ ہو، بلکہ کسی دلیل کی ضرورت پڑے جیسے مثلث کے تین زاویوں کا دو قائمہ کے برابر ہونا، اب یہ صرف تصور سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ اس کے لئے دلیل ضروری ہے۔

لازم بین کا دوسرا معنیٰ یہ ہے کہ محض ملزوم کا تصور لازم کے تصور کیلئے کافی ہو جیسے دو ایک کا دوگنا ہے، کیونکہ اثنین کے تصور سے اس کے ضعف الواحد ہونے کا تصور لازم ہے، اس کو **''لازم بین بالمعنی الاخص''** کہتے ہیں۔ لازم بین کے دونوں معنیٰ کے درمیان عموم وخصوص مطلق کی نسبت ہے، پہلا معنیٰ اعم ہے، اور دوسرا اخص ہے، جہاں معنیٰ ثانی پایا جائے گا وہاں معنیٰ اول بھی ضرور پایا جائے گا، اس کا عکس ضروری نہیں، کیونکہ جب لزوم میں صرف ملزوم کا تصور کافی ہے تو لازم کا تصور ملزوم کے تصور کے ساتھ لزوم میں ضرور کافی ہوگا، من غیر عکس۔

عرض مفارق کی دو قسمیں ہیں :

۱۔ سریع الزوال : یعنی جلدی زائل ہو جائے جیسے شرمندگی کے وقت انسان کے چہرے پر چھا جانے والی سرخی۔

۲۔بطیء الزوال : جو دیر سے زائل ہو جیسے جوانی اور بڑھاپا کہ ان کے رخصت ہوتے ہوتے وقت لگتا ہے۔

خاصہ،عرض عام

وكل واحد من اللازم والمفارق إن اختص بأفراد حقيقة واحدة، فهو الخاصة كالضاحك، وإلا فهو العرض العام كالماشي وترسم الخاصة بأنها كلية مقولة على ماتحت حقيقة واحد فقط قولا عرضيا، والعرض العام بأنه كلي مقول على أفراد حقيقية واحدة وغيرها قولا عرضيا، فالكليات إذن خمس :نوع، وجنس، وفصل، وخاصة، وعرض عام۔

یعنی ''اور ہر ایک لازم اور مفارق میں سے اگر یہ ایک ہی حقیقت کے افراد کے ساتھ خاص ہوں تو خاصہ ہے جیسے ضاحک اور اگر ایک حقیقت کے افراد کے ساتھ خاص نہ ہو تو عرضِ عام ہے جیسے ماشی۔ خاصہ کی تعریف یہ ہے کہ وہ ایک کلی ہے جو ایک حقیقت والے افراد پر قولِ عرضی کے طور پر بولی جائے اور عرضِ عام کی تعریف یہ ہے کہ وہ ایک کلی ہے جو ایک حقیقت اور اس کے غیر کے افراد پر قولِ عرضی کے طور پر بولی جائے۔''

شرح:

اس عبارت میں خاصہ اور عرضِ عام کی تعریف ہے جو ترجمہ ہی سے سمجھ میں آ رہی ہیں۔ مصنفؒ نے کلیاتِ خمسہ کی تعریفات کو رسم سے تعبیر کیا نہ کہ حد سے۔ حد وہ تعریف ہے

جو ذاتیات پر مشتمل ہو اور رسم وہ تعریف ہے جو عرضیات پر مشتمل ہو۔ مناطقہ ان کلیات کی تعریفات کو رسم اس لیے کہتے ہیں کیونکہ یہ ممکن ہے کہ ان مفہومات کے علاوہ اور بھی ماہیات ہوں اور یہ مفہومات (جو گزشتہ تعریفات میں بیان کیے گئے) ان ماہیات کیلئے عوارض اور لوازم ہوں لیکن یہ بات کوئی یقینی بھی نہیں کہ کوئی ایسی دوسری ماہیات ہیں۔ اس لیے احتیاطاً انہیں رسوم کہا جاتا ہے۔ شارحؒ کہتے ہیں کہ زیادہ مناسب یہ تھا کہ مصنفؒ ان رسوم کو تعریفات کہتے اور یہ لفظ ''تعریفات'' رسوم اور حدود دونوں کو شامل ہے۔

مناطقہ ان کلیات کی مثال میں ناطق اور ضاحک اور ماشی پیش کرتے ہیں نہ کہ نطق، ضحک اور مشیء۔ کیونکہ ان کے نزدیک کلی کا اپنی جزئیات پر حمل معتبر ہے اور یہ صیغہ اسم فاعل میں ہوتا ہے نہ کہ مصدر میں۔

مصنفؒ کے پیرایۂ بیان سے کلیات کی پانچ کی بجائے سات اقسام نکلتی ہیں کیونکہ انہوں نے لازم اور مفارق کی دو دو قسمیں خاصہ اور عرضِ عام۔ تو یہ کل چار قسمیں بنتی ہیں۔ خاصہ لازم، خاصہ مفارق، عرضِ عام لازم، عرضِ عام مفارق۔ یہ چاروں جنس، نوع، فصل کے ساتھ مل کر سات اقسام بنتے ہیں۔ لیکن یہ محض اسلوبِ بیان کا تسامح ہے ورنہ یہاں کل پانچ ہی قسمیں ہیں، اس طرح کہ لازم اور مفارق میں سے ہر ایک خاصہ ہوگا تو یہ ایک قسم ہے پھر ان میں سے ہر ایک عرض عام ہوگا تو یہ دوسری قسم ہے۔ اس طرح جنس، نوع، فصل کے ساتھ مل کر کل پانچ قسمیں ہیں۔

کلی کی اقسام

الفصل الثالث فی مباحث الکلی والجزئی : وھی خمسة :

الأول :الکلی :قدیکون ممتنع الوجود فی الخارج لا لنفس مفهوم اللفظ :کشریک الباری عز اسمه، وقد یکون ممکن الوجود لکن لایوجد، کالعنقاء، وقد یکون الموجود منه

واحدا فقط مع امتناع غيره، كالبارى عز اسمه، أو مع إمكانه كالشمس، وقد يكون الموجود منه كثيرا إما متناهيا كالكواكب السبعة السيارة أو غير متناه كالنفوس الناطقة عند بعضهم۔

یعنی ''تیسری فصل کلی اور جزئی کے مباحث کے بیان میں ہے۔ یہ کل پانچ ہیں۔ پہلی بحث : کلی کبھی خارج میں ممتنع الوجود ہوتی ہے نہ کہ لفظ کے اصل مفہوم کی وجہ سے (بلکہ کسی اور دلیل کی بناء پر) جیسے شریکِ باری تعالیٰ۔ اور کبھی کلی ممکن الوجود ہوتی ہے لیکن اس کا وجود نہیں ہوتا جیسے عنقاء۔ اور کبھی اس کا ایک فرد موجود ہوتا ہے اور دیگر افراد کا پایا جانا ممتنع ہوتا ہے جیسے باری تعالیٰ۔ (اس کا ایک فرد پایا جاتا ہے) اور دیگر افراد کا پایا جانا ممکن ہوتا ہے۔ جیسے شمس۔ پھر کبھی خارج میں اس کے کثیر افراد ہوتے ہیں، لیکن ان کی انتہاء ہوتی ہے جیسے کواکب سبعہ سیارہ۔ اور کبھی اس کے افراد کی کوئی انتہاء نہیں ہوتی جیسے بعض مناطقہ کے ہاں نفوسِ ناطقہ۔''

شرح:

کلی کی اپنے افراد کے پائے جانے اور نہ پائے جانے کے اعتبار سے چھ صورتیں ہیں:

۱۔ کلی کے فرد کا پایا جانا ممتنع ہو جیسے شریک الباری (اللہ پاک کا شریک) یہ ایسی کلی ہے کہ اس کے فرد کا پایا جانا محال ہے۔

۲۔ کلی کے افراد کا پایا جانا ممکن تو ہو لیکن کوئی فرد نہ پایا جاتا ہو۔ جیسے عنقاء، یہ ایک پرندہ ہے، مشہور قول کے مطابق اس کی نسل ایک نبی کی بددعاء کی وجہ سے ہمیشہ کیلئے ختم ہوگئی ہے۔

۳۔ کلی کا صرف ایک فرد پایا جائے اور دوسرے فرد کا پایا جانا ممکن ہو لیکن پایا نہ جاتا ہو، جیسے

سورج، چاند۔

۴۔کلی کا صرف ایک فرد پایا جائے اور دوسرے فرد کا پایا جانا ممتنع ہو، جیسے واجب الوجود کا مفہوم صرف اللہ پاک کی ذات پر صادق ہے اس کے سوا کوئی دوسرا فرد نہیں پایا جاتا۔

۵۔کلی کے بہت سے افراد پائے جاتے ہوں، لیکن ان کی تعداد مقرر ہو جیسے سات ستارے قمر، شمس، مریخ، زحل، مشتری، عطارد، زہرہ ان کو سبعہ سیارہ کہتے ہیں۔

۶۔کلی کے غیر متناہی افراد پائے جاتے ہوں، جن کی تعداد شمار نہیں کی جاسکتی، جیسے اللہ پاک کی معلومات۔

کلی طبیعی، منطقی، عقلی

المبحث الثانی :إذا قلنا للحیوان مثلا :بأنه کلی، فهناک أمور ثلاثة :الحیوان من حیث هو هو، وکونه کلیا، والمرکب منهما، والأول یسمی کلیا طبیعیا والثانی یسمی :کلیا منطقیا، والثالث یسمی :کلیا عقلیا والکلی الطبیعی موجود فی الخارج، لأنه جزء من هذا الحیوان الموجود فی الخارج وجزء الموجود موجود فی الخارج، وأما الکلیان الأخیران ففی وجودهما فی الخارج خلاف، والنظر فیه خارج عن المنطق۔

یعنی ''دوسری بحث یہ ہے کہ جب ہم مثال کے طور پر حیوان کے بارے میں کہیں کہ وہ کلی ہے تو یہاں تین باتیں ہیں :پہلی حیوان اس حیثیت سے کہ وہ حیوان ہے۔ دوسری اس حیوان کا کلی ہونا۔ تیسری ان دونوں کا مجموعہ۔ پہلی کو کلی طبعی۔ دوسری کو کلی منطقی۔ تیسری کو کلی عقلی کہتے ہیں۔ اور کلی طبعی تو خارج میں موجود ہے کیونکہ وہ اس حیوان کی جزء ہے جو

خارج میں موجود ہے اور خارج میں موجود کا جو جزء ہوگا وہ بھی موجود فی الخارج ہوگا۔ کلی منطقی اور کلی عقلی کے خارج میں پائے جانے کے بارے میں اختلاف ہے اور یہ بحث منطق سے خارج ہے۔''

شرح:

اس سے پہلے کلی کا جو تعارف گزرا وہ کلی منطقی کا تھا۔ یہاں مصنفؒ کلی کے مزید دو اور اطلاق بتا رہے ہیں جو کلی منطقی سے مختلف ہیں۔ اس طرح کل تین قسمیں ہوئیں۔ کلی منطقی، کلی طبعی اور کلی عقلی۔ ان کے درمیان فرق یوں بیان کیا جا سکتا ہے:

مثال کے طور پر جب ہم کہتے ہیں کہ حیوان ایک کلی ہے تو یہاں تین الگ الگ مفہوم ہیں۔ پہلا حیوان کا مفہوم یعنی جسم نامی حساس۔ اسی کو کلی طبعی کہتے ہیں۔ طبعی کے معنی ہیں خارج۔ یہ کلی بھی چونکہ خارج میں موجود ہوتی ہے اس لیے اس کو کلی طبعی کہتے ہیں۔

دوسرا مفہوم کلی کا بحیثیت کلی ہونے کے ہے جس میں کسی خاص مثال یا شکل کا لحاظ نہیں ہوتا بلکہ صرف ذہن میں یہ ہوتا ہے کہ اس کا نفس مفہوم کثیر پر صادق آنے سے مانع نہیں ہے۔ اس کو کلی منطقی کہتے ہیں کیونکہ یہ مفہوم اہل منطق ہی کا متعین کردہ ہے۔

تیسرا مفہوم ان دونوں مفہوموں کا مرکب ہوتا ہے اس کو کلی عقلی کہتے ہیں کیونکہ اس کا وجود صرف عقل میں ہوتا ہے۔

یہ تقسیم بطور ایک مثال کی تھی۔ اس کو دیکھتے ہوئے آپ جنسِ طبعی، جنسِ منطقی اور جنسِ عقلی کی تعریف سمجھ سکتے ہیں اسی طرح یہ تقسیم نوع اور فصل میں بھی جاری ہوگی۔

مصنفؒ نے کلی طبعی کے بارے میں بتایا کہ وہ خارج میں موجود ہوتی ہے اور اس کی دلیل بھی متن میں بیان کر دی جو بہت آسان ہے۔ کلی منطقی اور کلی عقلی کے بارے میں کہا کہ ان کی بحث منطق سے خارج ہے۔ یہ مسئلہ علم فلسفہ سے تعلق رکھتا ہے۔

چار نسبتوں کا بیان

الثالث :الكليان متساويان إن صدق كل منهما على كل مايصدق عليه الآخر، كالانسان والناطق، وبينهما عموم وخصوص مطلق إن صدق أحدهما على كل مايصدق عليه الآخر من غير عكس، كالحيوان والإنسان، وبينهما عموم وخصوص من وجه إن صدق كل منهما على بعض ما صدق عليه الآخر فقط، كالحيوان والأبيض ومتباينان إن لم يصدق شيء منهما على شيء مما يصدق عليه الآخر، كالانسان والفرس۔

یعنی ”تیسری بحث :دوکلیاں متساوی ہوں گی اگران میں سے ہرایک ہر اس فرد پر صادق آئے جس پر دوسری کلی صادق آتی ہے جیسے انسان اور ناطق۔ دوکلیات کے درمیان عموم، خصوص، مطلق کی نسبت ہوگی اگر ایک تو ان تمام افراد پر صادق آئے جس پر دوسری صادق آتی ہے لیکن اس کا عکس نہ ہو جیسے حیوان اور انسان۔ دوکلیات کے درمیان عموم، خصوص من وجہٍ کی نسبت ہوگی اگر دونوں میں سے ہرایک ان کچھ افراد پر صادق آئے جن پر دوسری کلی صادق آتی ہے جیسے حیوان اور ابیض۔ اور دوکلیاں متباین ہوں گی اگر دوسرے کے افراد میں سے کسی پر بھی صادق نہ آئے جیسے انسان اور فرس۔“

شرح:

اس عبارت میں مصنفؒ نے دوکلیات کے درمیان مشہور چار نسبتوں کو بیان کیا ہے۔ یہ

نسبتیں صرف دوکلیات کے درمیان ہی بیان ہوسکتی ہیں۔ ورنہ جزئیات کے درمیان یہ نسبتیں متحقق نہیں ہوتیں۔

جب ایک کلی کی نسبت دوسری کلی کی طرف کی جائے تو ان چار نسبتوں میں سے کوئی نہ کوئی نسبت ضرور پائی جائے گی:

ا۔تساوی : ایسی نسبت کو کہتے ہیں جو ایسی دوکلیات میں پائی جائے جن میں سے ہر ایک دوسری کلی کے ہر ہر فرد پر صادق ہو جیسے انسان اور ناطق کہ انسان، ناطق کے ہر فرد پر صادق ہے۔اور ناطق انسان کے ہر فرد پر صادق ہے۔

۲۔تباین : ایسی نسبت کو کہتے ہیں جو دو ایسی کلیات میں پائی جائے جن میں سے کوئی کلی دوسری کلی کے کسی فرد پر صادق نہ ہو جیسے انسان اور فرس کہ انسان، فرس کے کسی فرد پر صادق نہیں۔اور فرس انسان کے کسی فرد پر صادق نہیں۔

۳۔عموم وخصوص مطلق : ایسی نسبت کو کہتے ہیں کہ جو دو ایسی کلیات کے درمیان پائی جائے جن میں سے ایک کلی تو دوسری کلی کے ہر ہر فرد پر صادق ہو اور دوسری کلی پہلی کلی کے ہر ہر فرد پر صادق نہ ہو بلکہ بعض پر ہو۔ جو ہر ہر فرد پر صادق ہو اس کو عام اور جو بعض پر صادق ہو اس کو خاص کہتے ہیں۔ جیسے حیوان اور انسان کہ حیوان تو انسان کے ہر ہر فرد پر صادق ہے۔ اور انسان حیوان کے ہر ہر فرد پر صادق نہیں بلکہ بعض پر صادق ہے اور وہ بعض افراد زید، عمرو، بکر وغیرہ ہیں۔ کیونکہ جس طرح یہ انسان کے افراد ہیں، حیوان کے بھی افراد ہیں۔ پس انسان حیوان کے ان افراد پر تو صادق ہے لیکن حیوان کے دوسرے افراد مثلاً گھوڑا، اونٹ، بکری وغیرہ پر صادق نہیں ہے۔اس لیے حیوان تو عام ہوا اور انسان خاص۔

۴۔عموم وخصوص من وجہ : ایسی نسبت کو کہتے ہیں کہ جو دو ایسی کلیات کے درمیان پائی جائے جن میں سے ہر ایک کلی دوسری کلی کے بعض افراد پر صادق ہو اور بعض پر نہ ہو جیسے حیوان اور ابیض کہ بعض حیوان ابیض ہیں اور بعض نہیں۔ اسی طرح بعض ابیض حیوان ہیں اور بعض

نہیں۔

نقائض کے درمیان نسبت

ونقيضا المتساويين متساويان، والا لصدق احدهما على ماكذب عليه الآخر، فيصدق احد المتساويين على ماكذب عليه الآخر وهو محال۔ ونقيض الاعم من شيء مطلقا أخص من نقيض الأخص مطلقا، لصدق نقيض الاخص على كل ما يصدق عليه نقيض الاعم من غير عكس، اما الاول :فلانه لو لاذلک لصدق عين الاخص على بعض ما صدق عليه نقيض الاعم، وذلک مستلزم لصدق الاخص بدون الاعم وانه محال۔

وأما الثانى :فلانه لولا ذلک لصدق نقيض الاعم على كل مايصدق عليه نقيض الاخص، وذلک مستلزم لصدق الاخص على كل الاعم وهو محال۔

والاعم من شيء من وجه ليس بين نقيضيهما عموم اصلا، لتحقق مثل هذا العموم بين الاعم مطلقا ونقيض الاخص، مع التباين الكلى بين نقيض الاعم مطلقا وعين الاخص۔

ونقيضا المتباينين متباينان تباينا جزئيا لأنهما إن لم يصدقا معا أصلا على شيء، كاللا وجود واللا عدم، كان بينهما تباين كلى، وإن صدقا معا، كاللا انسان واللا فرس، كان بينهما تباين جزئى۔ ضرورة صدق احد المتباينين مع نقيض الآخر فقط، فالتباين الجزئى لازم جزما۔

یعنی "دو ایسی کلیاں جن کے درمیان تساوی کی نسبت ہو ان کی نقیضوں کے درمیان بھی تساوی کی نسبت ہوگی۔ ورنہ ان میں سے ایک بعض ان افراد پر صادق آئے گی جن پر دوسری کلی کاذب ہے اور یہ محال ہے۔

(ایسی دو کلیاں جن کے درمیان خصوص مطلق ہو تو ان کی نقیضوں کے درمیان یہ نسبت ہوگی کہ) اعم مطلق کی نقیض، اخص کی نقیض سے اخص مطلق ہوگی۔ کیونکہ اخص کی نقیض ہر اس فرد پر صادق آتی ہے جس پر اعم کی نقیض صادق آئے۔ مگر اس کا عکس نہیں ہوگا۔ بہر حال پہلا (دعویٰ) تو وہ اس لیے ہے کہ اگر ایسا نہ ہو تو اخص کی عین کلی ان بعض افراد پر صادق ہوگی جن پر اعم کلی کی نقیض صادق ہے۔ اور اس سے لازم آتا ہے کہ اعم بغیر اخص کے صادق آئے جو محال ہے۔ دوسرا (دعویٰ) تو وہ اس لیے ہے کہ اگر ایسا نہ ہو تو اعم کلی کی نقیض تمام ان افراد پر صادق آئے گی جن پر اخص کلی کی نقیض صادق ہے۔ اور اس سے لازم آتا ہے کہ اعم کے تمام افراد پر اخص صادق آئے اور یہ محال ہے۔

جن دو کلیات کے درمیان عموم خصوص من وجہ ہو تو ان کی نقیضین میں بالکل عموم نہیں کیونکہ یہ عموم، اعم مطلق کے عین کلی اور اخص کلی کی نقیض کے درمیان ثابت ہے۔ اعم مطلق کی نقیض اور اخص کلی کے عین کے درمیان تباین کلی ہونے کے ساتھ ساتھ۔

ایسی دو کلیاں جن کے درمیان تباین کی نسبت ہو تو ان کے نقیضوں کے درمیان تباینِ جزئی ہوگا۔ اس لیے کہ اگر وہ دونوں ایک ساتھ صادق نہ آئے جیسے لاوجود اور لاعدم تو ان دونوں میں تباین کلی ہوگا۔ اور اگر وہ دونوں ایک ساتھ صادق آئیں جیسے لاانسان اور لافرس تو ان میں تباینِ

جزئی ہوگا کیونکہ متباینین میں سے ایک صرف دوسرے کی نقیض کے
ساتھ صادق ہے، بہر حال تباینِ جزئی یقینی طور پر لازم ہے۔‘‘

شرح:

پہلے مصنفؒ نے دو کلیات کے درمیان نسبت کو بیان کیا۔ اب ان کی نقیضوں کے درمیان نسبت کو بیان کرتے ہیں اور یہ بھی کل چار ہیں:

ا۔ جن دو کلیات کے درمیان تساوی کی نسبت ہو جیسے انسان اور ناطق، تو لازماً ان دونوں کی نقیضوں کے درمیان بھی تساوی کی نسبت ہوگی جیسے انسان اور ناطق، تو لا انسان اور لا ناطق میں بھی تساوی کی نسبت ہوگی یعنی دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کے تمام افراد پر صادق آئیں گی۔

۲۔ جن دو کلیات کے درمیان عموم خصوص مطلق کی نسبت ہو تو ان دونوں کی نقیضوں کے درمیان بھی یہی نسبت ہوگی لیکن ایک اہم فرق کے ساتھ۔ وہ فرق یہ ہے کہ اصل میں جو کلی عام مطلق تھی وہ نقیض میں خاص مطلق بن جائے گی اور جو کلی اصل میں خاص مطلق تھی وہ نقیض میں عام مطلق بن جائے گی۔ جیسے حیوان اور انسان کہ ان دونوں کی نقیض لا انسان اور لا حیوان میں بھی عموم خصوص مطلق ہے۔ لیکن اس طرح کہ لا انسان عام مطلق ہے اور لا حیوان خاص مطلق ہے۔ یعنی جہاں جہاں لا حیوان صادق آئے گا وہاں لا انسان ضرور صادق آئے گا۔ لیکن جہاں جہاں لا انسان صادق آئے وہاں لا حیوان کا صادق آنا ضروری نہیں جیسے فرس میں کہ یہ لا انسان تو ہے لیکن لا حیوان نہیں۔

۳۔ جن دو کلیات کے درمیان عموم خصوص من وجہٍ کی نسبت ہو تو ان دونوں کی نقیض کے درمیان نسبت کی دو صورتیں ہیں:

اوّل یہ کہ ان نقیضوں کے درمیان بھی عموم خصوص من وجہٍ کی نسبت ہو جیسے حیوان اور ابیض کہ ان دونوں کی نقیض لا حیوان اور لا ابیض کے درمیان بھی عموم خصوص من وجہٍ کی نسبت ہے کیونکہ ان کا مادہ اجتماعی حجر اسود ہے کہ وہ لا حیوان بھی ہے اور لا ابیض بھی۔ پھر لا حیوان کا افتراقی

مادہ حجرِ ابیض ہے کہ اس پر لاحیوان تو صادق آتا ہے لیکن لا ابیض صادق نہیں آتا۔ لا ابیض کا افتراقی مادہ حیوانِ اسود ہے کہ اس پر لا ابیض تو صادق آتا ہے لیکن لاحیوان صادق نہیں آتا۔

دوم یہ کہ ان نقیضوں کے درمیان تباین کلی ہو جیسے حیوان اور لا انسان کہ ان دوکلیات کے درمیان عموم خصوص من وجہٍ کی نسبت ہے، اب ان دونوں کی نقیض نکالیں یعنی لاحیوان اور انسان تو ان کے درمیان تباین کلی کی نسبت ہے کیونکہ دونوں ایک دوسرے کے کسی بھی فرد پر صادق نہیں آتے۔

یہاں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ تباینِ جزئی اس مقام پر ایک نئی اصطلاح ہے جس کا معنی یہ ہوتا ہے کہ دوکلیاں ایک دوسرے کے افراد پر فی الجملہ (کچھ جگہ) صادق آئیں اور فی الجملہ صادق نہ آئیں۔ تباینِ جزئی کے تحت عموم خصوص من وجہٍ اور تباین کلی دونوں شامل ہوتے ہیں۔ اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ جن دوکلیات کے درمیان عموم خصوص من وجہٍ کی نسبت ہو تو ان کی نقیضوں کے درمیان تباینِ جزئی کی نسبت ہوگی کیونکہ تباینِ جزئی کے تحت دونوں صورتیں شامل ہوجاتی ہیں۔

۴۔ جن دوکلیات کے درمیان تباین کی نسبت ہو تو ان کی نقیضوں کے درمیان تباین جزئی کی نسبت ہوگی اور ہم ابھی بتا چکے کہ تباین جزئی کے تحت عموم خصوص من وجہٍ اور تباینِ کلی دونوں شامل ہوتے ہیں گویا جن دوکلیات کے درمیان تباین کی نسبت ہو تو ان کی نقیضوں کے درمیان نسبت کی دو صورتیں بنیں گی:

اول یہ کہ نقیضوں کے درمیان عموم خصوص من وجہٍ کی نسبت ہوگی جیسے انسان اور فرس کہ ان دونوں میں تباین ہے اور ان دونوں کی نقیضوں یعنی لا انسان اور لا فرس کے درمیان عموم خصوص من وجہٍ کی نسبت ہے اس لیے کہ یہ دونوں جمادات پر صادق آتی ہیں۔ اس طرح فرس پر لا انسان صادق آتا ہے لیکن لا فرس نہیں۔ اور انسان پر لا فرس صادق آتا ہے لا انسان نہیں۔

دوم یہ کہ ان نقیضوں کے درمیان بھی تباین کلی کی نسبت ہوگی جیسے وجود اور عدم کہ ان

دونوں کی نقیضوں یعنی لاوجود اور لاعدم کے درمیان بھی تباین کلی کی نسبت ہے۔

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہوا کہ دو متساوی کلیات کی نقیضوں کے درمیان تساوی کی نسبت ہوگی۔ عموم خصوص مطلق والی دو کلیات کی نقیضوں کے درمیان بھی یہی نسبت ہوگی صرف ایک فرق کے ساتھ۔ جن دو کلیات کے درمیان عموم خصوص من وجہٍ یا تباین کی نسبت ہو تو ان کی نقیضوں کے درمیان تباینِ جزئی کی نسبت ہوگی۔

جزئی حقیقی، جزئی اضافی

المبحث الرابع، الجزئی کما یقال :علی المعنی المذکور المسمی بالحقیقی، فکذلک یقال :علی کل اخص تحت الاعم، ویسمی الجزئی الاضافی، وھو اعم من الاول۔ لأن کل جزئی حقیقی فھو جزئی اضافی دون العکس۔

اما الاول فلا ندراج کل شخص تحت الماھیات المعراۃ عن المشخصات۔

واما الثانی فلجواز کون الجزئی الاضافی کلیا، وامتناع کون الجزئی الحقیقی کذلک۔

یعنی ''چوتھی بحث : جزئی کا لفظ جیسے اس معنی پر بولا جاتا ہے جو پہلے ذکر کیا گیا جس کا نام حقیقی رکھتے ہیں ایسے ہی یہ جزئی کا لفظ ہر اس خاص پر بولا جاتا ہے جو کسی عام کے تحت داخل ہو اور اسے جزئی اضافی کہتے ہیں اور جزئی کا یہ معنی پہلے معنی سے عام ہے کیونکہ جزئی حقیقی جزئی اضافی ہوگی لیکن اس کا عکس نہیں ہوگا۔ رہا پہلا (دعویٰ) تو اس لیے کہ ہر شخص لازماً ان ماہیات کے تحت داخل ہوتا ہے جو مشخصات سے خالی ہوں اور دوسرا (دعویٰ) اس لیے کہ یہ جائز ہے کہ جزئی اضافی کوئی کلی ہو اور

(ظاہر ہے کہ) جزئی حقیقی کا کلی ہونا ممکن نہیں۔

شرح:

ابھی تک ہم نے جزئی کے جو معنی پڑھے یعنی وہ جس کا نفسِ تصور شرکت سے مانع ہو، یہ جزئی حقیقی کے معنی ہیں اب مصنفؒ جزئی اضافی کا معنی بتارہے ہیں:

جزئی اضافی وہ ہوتی ہے جو خاص ہو اور کسی عام کے تحت داخل ہو جیسے انسان خاص ہے اور حیوان کے تحت ہے اور حیوان اس سے اعم ہے لہٰذا انسان جزئی اضافی ہوگی۔اسی طرح حیوان بھی جزئی اضافی ہے کیونکہ وہ جسم نامی کے تحت داخل ہے اور جسم نامی بھی جزئی اضافی ہے اس لیے کہ جسم مطلق کے تحت داخل ہے۔اور جسم مطلق بھی جزئی اضافی ہے کیونکہ وہ جوہر کے تحت ہے۔

اس کو جزئی اضافی کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کا جزئی ہونا غیر کے اعتبار اور نسبت سے ہوتا ہے۔ ورنہ اپنے نفس مفہوم اور ذات کے اعتبار سے ضروری نہیں کہ وہ شے جزئی ہو جیسے انسان حیوان کے اعتبار سے جزئی اضافی ہے حالانکہ یہ اپنے مفہوم کے اعتبار سے کلی ہے۔

اس کے بعد مصنفؒ جزئی حقیقی اور اضافی کے درمیان نسبت بیان کرتے ہیں:

ان دونوں کے درمیان عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے یعنی جزئی اضافی عام مطلق ہے اور جزئی حقیقی خاص مطلق ہے۔ لہٰذا مثلاً زید پر جزئی حقیقی اور جزئی اضافی دونوں صادق آئیں گی لیکن انسان پر جزئی اضافی تو صادق آئے گی لیکن جزئی حقیقی صادق نہیں آئے گی۔

شارحؒ فرماتے ہیں کہ جزئی اضافی کی تعریف میں فنی طور پر دو خامیاں ہیں:

۱۔تعریف میں لفظ ''کُل'' کو استعمال کیا ہے اور یہ لفظ ''افراد'' کیلئے استعمال ہوتا ہے اور افراد کے ذریعے تعریف کرنا درست نہیں بلکہ تعریف مفہوم کی ہوتی ہے۔

۲۔تعریف میں دو متضایف لفظ استعمال کیے ہیں یعنی ایسے دو لفظ کہ جن میں سے ہر ایک کا سمجھنا دوسرے پر موقوف ہو۔تعریف میں یہ لفظ ہے **''اخص تحت الاعم''** اخص اور اعم

دونوں متضایف ہیں اور تعریفات میں ایسے الفاظ استعمال کرنا صحیح نہیں۔

پس جزئی اضافی کی صحیح تعریف یہ ہوگی :"**ھو الأخص من شیئٍ**"

نوعِ حقیقی، نوعِ اضافی

المبحث الخامس :النوع۔کما یقال :علی ماذکرناہ، ویقال له :النوع الحقیقی، فکذلک یقال :علی کل ماھیة یقال علیھا، وعلی غیرھا الجنس فی جواب ماھو؟ قولا اولیا، ویسمی النوع الاضافی۔

یعنی"پانچویں بحث :نوع کا اطلاق جیسا کا اس معنی پر ہوتا ہے جو ہم نے ذکر کیا اس کو نوعِ حقیقی کہتے ہیں۔اسی طرح نوع کا لفظ ہر ماہیت پر بولا جاتا ہے کہ ماہو کے جواب میں اس ماہیت اور اس کے غیر پر قولِ اوّلی کے طور پر جنس بولی جائے۔اس کا نام نوعِ اضافی ہے۔"

شرح:

کلیات خمسہ میں جس نوع کی تعریف کی گئی وہ نوع حقیقی تھی اب مصنفؒ نوع اضافی کو بیان کرتے ہیں:

نوع اضافی کی تعریف یہ ہے کہ وہ کلی جو ماہو سے جب ماہیت اور اس کے ساتھ غیر کو ملا کر سوال کیا جائے تو جواب میں بلا واسطہ جنس واقع ہو جائے جیسے انسان اور اس کے ساتھ کسی اور ماہیت مثلاً فرس کو ملا کر سوال کریں تو جواب میں جنس واقع ہوگی۔ جیسے یوں کہا جائے "**الانسان والفرس ماھما**" تو جواب میں حیوان آئے گا۔لہٰذا اس انسان کو نوع اضافی کہیں گے۔نوع اضافی کی تعریف میں یہ تین اجناس حیوان، جسم نامی اور جسم مطلق بھی داخل ہو جائیں گے کیونکہ جب بھی ان کے ساتھ کسی دوسری ماہیت کو ملا کر سوال کرتے ہیں تو جواب میں جنس

آتی ہے۔ مثلاً حیوان کے ساتھ ایک دوسری ماہیت شجر کو ملا کر "**ماھما**" کے ذریعے سوال کریں تو جواب میں جنس یعنی جسم نامی آتی ہے۔

نوع حقیقی اور نوع اضافی میں عموم خصوص من وجہٍ کی نسبت ہے۔ مادہ اجتماعی انسان ہے کہ یہ نوع حقیقی اور نوع اضافی دونوں ہے۔ نوع اضافی کا افتراقی مادہ حیوان ہے کہ یہ نوع اضافی تو ہے لیکن نوع حقیقی نہیں۔ نوع حقیقی کا افتراقی مادہ نقطہ ہے کہ یہ نوع اضافی نہیں بن سکتا کیونکہ یہ ایک بسیط چیز ہے مرکب نہیں اس لیے اگر کسی دوسری ماہیت کو ملا کر سوال کریں گے تو جواب میں جنس نہیں آئے گی۔

نوع اضافی کی تعریف میں لفظ ماہیت جنس ہے۔ "**فی جواب ماھو**"فصل ہے کہ اس کے ذریعے فصل، خاصہ اور جنسِ اعلیٰ نکل جاتے ہیں۔ اور "**قولاً اوّلیاً**" کے معنی ہے بغیر واسطہ ۔ یہ قید اس لیے لگائی کہ اس کے ذریعے صنف نکل جائے کیونکہ اس پر جنس کا اطلاق بلاواسطہ نہیں ہوتا بلکہ نوع حقیقی کے واسطے سے ہوتا ہے۔

صنف اس ماہیت کلی کو کہتے ہیں جو ایسے قید کے ساتھ مقید ہو جو اسکی ذات میں داخل نہیں جیسے رومی یعنی روم کا رہنے والا انسان۔ اب جنس یعنی حیوان کا اطلاق رومی، ترکی اور مصری پر بلاواسطہ نہیں ہوتا بلکہ نوع یعنی انسان کے واسطے سے ہوتا ہے۔

شارحؒ کہتے ہیں کہ نوع اضافی کی تعریف میں بھی لفظ کل نہیں ہونا چاہئے اس کی وجہ پہلے گزر چکی ہے۔ اسی طرح اس تعریف میں لفظ ماہیت کی جگہ لفظ کلی استعمال ہونا چاہئے کیونکہ وہ ایسی جنس ہے جس میں تمام کلیات داخل ہوں گی اور جنس کے بغیر تعریف مکمل نہیں ہوتی۔ اگرچہ اہل منطق کے ہاں لفظ ماہیت بھی کلی پر دلالت کرتا ہے لیکن یہ دلالت مطابقی نہیں بلکہ دلالتِ التزامی ہے۔ اور تعریفات میں دلالت التزامی کا استعمال درست نہیں۔

نوع کے چار مراتب

ومراتبه اربع :لأنه اما اعم الانواع وهو النوع العالی :

كالجسم، او اخصها، وهو النوع السافل :كالإنسان ويسمى نوع الانواع، اواعم من السافل واخص من العالى، وهوالنوع المتوسط، كالحيوان والجسم النامى، او مباين للكل، وهو النوع المفرد كالعقل إن قلنا :إن الجوهر جنس له۔

یعنی ''نوع کے چار درجات ہیں کیونکہ یا تو اعم الانواع ہوگی اور وہ نوع عالی ہے جیسے جسم۔ یا وہ اخص الانواع ہوگی اور وہ نوع سافل ہے جیسے انسان۔اوراس کونوع الانواع بھی کہتے ہیں۔ یا وہ نوع سافل سے اعم اور نوع عالی سے اخص ہوگی اور وہ نوع متوسط ہے جیسے حیوان اور جسم نامی۔ یا وہ تمام انواع کے مباین ہوگی اور وہ نوع مفرد ہے جیسے عقل۔بشرطیکہ ہم کہیں کہ جوہر اس کیلئے جنس ہے۔''

شرح:

نوع اضافی کی تعریف سے یہ تو معلوم ہو گیا کہ وہ نوع حقیقی پر صادق آتی ہے، اسی طرح وہ مختلف اجناس جیسے حیوان، جسم نامی اور جسم پر بھی صادق آتی ہے۔لیکن نوع اضافی جوہر پر صادق نہیں آتی کیونکہ وہ اعلیٰ ترین جنس ہے۔لہٰذا اس کے اوپر کوئی جنس نہیں جو اس پر بولی جائے۔

اہل منطق نے نوع اضافی کے چار مراتب مقرر کیے ہیں:

۱۔**النوع العالی** : یہ تمام انواع سے عام ہوتی ہے۔ جیسے جسم کہ یہ جسم نامی، حیوان، انسان سے اعم ہے۔کیونکہ یہ تمام انواع اضافیہ سے اوپر ہے اس لیے اس کونوع عالی کہتے ہیں۔ اس کے اوپر کوئی نوع نہیں بلکہ جوہر ہے جو تمام اجناس سے عام ہے۔

۲۔**النوع المتوسط** : جو بعض انواع سے عام ہو اور بعض انواع سے خاص ہو جیسے جسم نامی کہ یہ جسم مطلق سے خاص ہے اور حیوان سے عام ہے۔ اور جیسے حیوان کہ وہ جسم نامی سے خاص ہے اور انسان سے عام ہے۔

۳۔ **النوع السافل** : جو تمام انواع سے خاص ہو جیسے انسان کہ یہ تمام انواع کے مقابلے میں اخص ہے۔

۴۔ **النوع المفرد** : جو تمام انواع سے الگ تھلگ اور جدا ہو جیسے اس کی مثال عقل سے دیتے ہیں۔ بشرطیکہ جوہر کو اس کا جنس مانیں۔

یہ ملحد فلاسفہ کا عقیدہ تھا کہ (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ سے عقل اول کا صدور ہوا ہے اور عقل اول جوہر ہے اور مادہ سے خالی ہے پھر عقل اول سے عقل ثانی......اسی طرح عقل عاشر تک۔ گزشتہ مثال اسی نظریے پر مبنی ہے کہ ان عقول عشرہ میں سے ہر ایک فرد معین ہے اور ہر ایک، ایک مفہوم کے تحت داخل ہے جو عقل کلی ہے۔ تو یہ ایسی نوع ہوئی کہ جس کے اوپر کوئی نوع ہے نہ نیچے۔

یہاں یہ بات ذہن میں رکھیں کہ یہ مراتب صرف نوع اضافی کے ہیں نوع حقیقی کے نہیں۔ دوسری بات یہ کہ نوع مفرد کسی ترتیب کے تحت نہیں آتی کیونکہ وہ سب سے جدا ہے۔ یہاں صرف فائدے کی تکمیل کیلئے ترتیب میں اس کا ذکر کر دیا جاتا ہے۔

جنس کے چار مراتب

ومراتب الاجناس ایضا هذه الاربع، لکن العالی کالجوهر فی مراتب الاجناس یسمی جنس الاجناس، لا السافل، کالحیوان۔ ومثال المتوسط فیها الجسم النامی، ومثال المفرد العقل إن قلنا :الجوهر لیس بجنس له۔

یعنی ”اجناس کے بھی یہی چار درجات ہیں لیکن عالی، مراتب اجناس میں اسے جنس الاجناس کہا جاتا ہے جیسے جوہر۔ نہ کہ جنس سافل کو جیسے حیوان۔ اور جنس متوسط کی مثال جسم نامی ہے۔ جنس مفرد کی مثال عقل ہے اگر ہم یہ کہیں کہ جوہر اس کیلئے جنس نہیں ہے۔“

شرح:

جس طرح نوع اضافی کے چار مراتب ہیں عالی، متوسط، سافل اور مفرد، اسی طرح جنس کے بھی یہی چار مراتب ہیں، کیونکہ وہ جنس یا تو تمام اجناس سے اعم ہوگی، یہی جنس عالی ہے، جس کو جنس الاجناس بھی کہتے ہیں جیسے جوہر ہے، یا وہ جنس تمام اجناس سے اخص ہوگی، تو وہ جنس سافل ہے جیسے حیوان، یا وہ اخص بھی ہوگی اور اعم بھی، تو یہ جنس متوسط ہے جیسے جسم نامی اور جسم۔ یا وہ سب سے مباین ہوگی یعنی نہ اعم ہو نہ اخص، تو یہ جنس مفرد ہے جیسے عقل، بشرطیکہ جوہر کو اس کے لئے جنس نہ کہیں اور عقول عشرہ کی حقیقتیں مختلف مانیں۔

جنس اور نوع کے درجات میں چار فرق ہیں:

ا۔ جنس کے مراتب میں جنس عالی جوہر ہے اور نوع کے مراتب میں نوع عالی، جسم مطلق ہے۔

۲۔ جنس کے درجات میں جنس عالی کو ہی جنس الاجناس کہا جاتا ہے۔ اس کے برعکس نوع اضافی کے درجات میں نوع سافل کو نوع الانواع کہتے ہیں۔

۳۔ جنس سافل حیوان ہے اور نوع کے درجات میں نوع سافل انسان ہے۔

۴۔ جنس کے درجات میں متوسط اجناس جسم نامی اور جسم مطلق ہے۔ جبکہ نوع کے درجات میں متوسط انواع حیوان اور جسم نامی ہیں۔

آپ کو یاد ہوگا کہ نوعِ مفرد کے مثال میں بھی عقل کو پیش کیا گیا تھا اور اب جنس مفرد کی مثال میں بھی عقل کو پیش کیا گیا ہے۔ لیکن جیسا کہ آپ نے ترجمہ میں پڑھا کہ دونوں جگہ حیثیتوں کا فرق ہے اور مثال کا مقصد چونکہ صرف مسئلہ کی وضاحت ہوتی ہے اس لیے دو جگہ ایک ہی مثال دینے میں کوئی حرج نہیں۔

نوع حقیقی واضافی کی نسبت

والنوع الاضافی موجود بدون الحقیقی کالانواع المتوسطة، والحقیقی موجود بدون الاضافی، کالحقائق البسیطة، فلیس بینهما عموم وخصوص مطلق، بل کل منهما اعم من الآخر من وجه لصدقهما علی النوع السافل۔

یعنی ''نوع اضافی بغیر نوع حقیقی کے پائی جاتی ہے جیسے انواع متوسطہ۔ اور نوع حقیقی بغیر نوع اضافی کے پائی جاتی ہے جیسے حقائق بسیطہ۔ بس ان دونوں کے درمیان عموم خصوص مطلق کی نسبت نہیں ہے۔ بلکہ ان میں سے ہر ایک دوسرے سے من وجہٍ اعم ہے۔ کیونکہ یہ دونوں نوع سافل پر صادق آتے ہیں۔''

شرح:

اس عبارت میں مصنفؒ نوع اضافی اور نوع حقیقی کے درمیان نسبت بیان کرر ہے ہیں۔

نوع اضافی اور نوع حقیقی کے درمیان عموم خصوص من وجہٍ کی نسبت ہے جس کے تین مادے ہوتے ہیں، دونوں کا مادہ اجتماعی نوع سافل یعنی انسان ہے۔اس پر نوع اضافی اور نوع حقیقی دونوں صادق آتے ہیں۔نوع اضافی کا مادہ افتراقی انواع متوسطہ جیسے حیوان وغیرہ ہیں کہ اس پر نوع اضافی تو صادق آتی ہے لیکن نوع حقیقی صادق نہیں آتی۔نوع حقیقی کا مادہ افتراقی حقائق بسیطہ یعنی عقل اور نفس وغیرہ ہیں کہ ان پر نوع حقیقی تو صادق آتی ہے لیکن نوع اضافی صادق نہیں آتی۔

متقدمین مناطقہ چونکہ عقل اور نفس وغیرہ کے بسیط ہونے کے قائل نہیں اس لیے وہ نوع حقیقی کا مادہ افتراقی تسلیم نہیں کرتے۔ چنانچہ ان کے نزدیک نوع اضافی اور نوع حقیقی کے

درمیان عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے یعنی نوع اضافی عام مطلق ہے اور نوع حقیقی خاص مطلق۔ ہمارے مصنفؒ اس کے برخلاف عقل اور نفس کو بسیط مانتے ہیں اس لیے انہوں نے اس نظریہ کو مسترد کر دیا ہے۔

”واقع“ اور ”داخل“

وجزء المقول فی جواب ما هو إن كان مذكورا بالمطابقة يسمى واقعا فی طريق ما هو، كالحيوان والناطق بالنسبة إلى الحيوان الناطق المقول فی جواب السؤال بما هو عن الانسان، وإن كان مذكورا بالتضمن يسمى داخلا فی جواب ماهو كالجسم، والنامی، والحساس، والمتحرك بالارادة الدال عليها الحيوان بالتضمن۔

یعنی ”ما ہو کے جواب میں جو بولا جائے اس کا جزء اگر ”مطابقۃً“ ذکر ہو تو اس کو ”**واقع فی طریق ماهو**“ کہا جاتا ہے جیسے حیوان اور ناطق۔ بنسبت اس حیوان ناطق کے جو انسان کے بارے میں ما ہو سے سوال کے جواب میں آئے۔ اور اگر اس کا جزء ”**تضمناً**“ ذکر کیا گیا ہو تو اس کو ”**داخل فی جواب ماهو**“ کہتے ہیں جیسے جسم اور نامی اور حساس اور متحرک بالارادہ کہ ان سب پر لفظ حیوان دلالتِ تضمنی کر رہا ہے۔“

شرح:

یہاں سے مصنفؒ منطق کی دو اصطلاحات کی وضاحت کر رہے ہیں۔ ان کو سمجھنے کیلئے پہلے ”**مقول فی جواب ماهو**“ کا مطلب سمجھنا ہوگا۔

"**مقول فی جواب ماھو**" کا مطلب یہ ہے کہ ماہو کے جواب میں ایسے الفاظ بولے جائیں جو اس ماہیت پر جس کے بارے میں سوال کیا گیا ہے مطابقۃً دلالت کریں۔ جیسے سوال کیا جائے "**الانسان ماھو**" تو اس کے جواب میں کہا جائے گا حیوانِ ناطق۔ اسی جواب کو "**مقول فی جواب ماھو**" کہا جاتا ہے۔

۱۔ واقع فی طریق ماہو : مقول فی جواب ماہو کا وہ جزء جو اس میں ایسے لفظ کے ساتھ ذکر ہو جو اس جزء پر مطابقۃً دلالت کرے جیسے گزشتہ مثال کے اعتبار سے حیوان اور ناطق الگ الگ واقع فی طریق ماہو ہیں کیونکہ "حیوان ناطق" ان پر مطابقۃً دلالت کر رہا ہے۔

۲۔ داخل فی جواب ماہو : مقول فی جواب ماہو کا وہ جزء جو اس میں ایسے لفظ کے ساتھ ذکر ہو جو اس جزء پر مطابقۃً نہیں بلکہ تضمناً دلالت کرتا ہو۔ جیسے جسم نامی وغیرہ کہ "حیوان ناطق" اس پر مطابقۃً تو دلالت نہیں کر رہا لیکن جسم نامی چونکہ حیوان کا جزء ہے اس لیے دلالتِ تضمنی موجود ہے۔ لہٰذا اس جسم نامی کو داخل فی جواب ماہو کہیں گے۔

فصلِ مقوّم و فصلِ مقسّم

والجنس العالی جاز أن یکون له فصل یقومه، لجواز ترکبه من أمرین متساویین أو أمور متساویة، ویجب أن یکون له فصل یقسمه۔ والنوع السافل یجب أن یکون له فصل یقومه ویمتنع أن یکون له فصل یقسمه، والمتوسطات یجب أن یکون لها فصول تقسمها وفصول تقومها، وکل فصل یقوم العالی فهو یقوم السافل من غیر عکس کلی، وکل فصل یقسم السافل فهو یقسم العالی من غیر عکس۔

یعنی "جنس عالی کیلئے جائز ہے کہ ایک فصل مقوّم ہو کیونکہ یہ جائز ہے کہ وہ دو برابر امور سے یا کئی برابر امور سے مرکب ہو۔ اور اس کے لئے

لازم ہے کہ کوئی فصلِ مقسم ہو۔ اور نوع سافل تو اس کیلئے لازم ہے کہ کوئی فصل مقوّم ہو اور اس کیلئے ممتنع ہے کہ کوئی فصل مقسم ہو۔ اور متوسطات تو ان کیلئے فصول مقسمہ اور فصول مقوّمہ دونوں ضروری ہیں۔ اور ہر فصل جو عالی کیلئے مقوّم ہو وہ سافل کیلئے بھی مقوّم ہوگی۔ لیکن اس کا پورا عکس نہیں آئے گا۔ اور ہر وہ فصل جو سافل کیلئے مقسم ہو وہ عالی کیلئے بھی مقسم ہوگی لیکن اس کا پورا عکس نہیں آئے گا۔''

شرح:

سب سے پہلے یہ جاننا چاہئے کہ جب فصل کی نسبت نوع کی طرف ہو تو اسے **''فصل مقوّم''** کہتے ہیں، یعنی ایسی فصل جو ماہیت (جنس) کے قوام اور بنیاد میں داخل ہے جیسے ناطق انسان کی طرف نسبت کرتے ہوئے فصل مقوّم ہوگی۔

کبھی فصل کی نسبت اس جنس کی طرف کی جاتی ہے کہ جس سے نوع اس کو تمیز دیتی ہے جیسے ناطق کی نسبت حیوان کی طرف۔ اب ناطق حیوان کے اصل میں داخل نہیں البتہ یہ حیوان کو ناطق اور غیر ناطق کی طرف تقسیم کر رہی ہے اس لیے اب اس کو ''فصل مقسم'' کہیں گے۔

مقوّم کے معنیٰ ہیں قوام یعنی مضبوطی بخشنے والی اور مقسم کے معنی ہیں تقسیم کرنے والی۔

اب کون سی جنس اور نوع کیلئے فصل مقوم یا مقسم بنے گی اور کس کیلئے نہیں اس کی تفصیل یہ ہے:

جنس عالی جیسے جوہر کیلئے لازمی ہے کہ اس کی کوئی فصل مقسم ہو کیونکہ لازماً اس کے ماتحت انواع ہوں گی اور ان انواع کی فصول اس جنس عالی کیلئے مقسم بنیں گی۔ اسی طرح جنس عالی کیلئے یہ بھی جائز ہے کہ کوئی فصل مقوم ہو۔ کیونکہ یہ ممکن ہے کہ جنس عالی امرین متساوین یا امور متساویہ سے مرکب ہے۔ ان میں سے ہر ایک جز دوسرے کیلئے فصل مقوم بنے گا (یاد رہے کہ یہ صرف متاخرین کی رائے کے مطابق درست ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے)۔

نوعِ سافل کے لئے لازمی ہے کہ ایک فصلِ مقوم ہو کیونکہ نوعِ سافل لازماً کسی جنس کے تحت شامل ہوگی اور جس کی جنس ہو تو اس کی ایسی فصل بھی ضرور ہوگی جو اسے اس جنس کے مشارکات سے تمیز دے سکے۔

نوعِ سافل کیلئے فصل مقسم ہونا ممکن نہیں ہے۔ ورنہ لازم آئے گا کہ اس کے تحت بھی کوئی نوع ہو پس وہ نوعِ سافل نہ رہے گی۔

متوسطات (خواہ نوع متوسط ہو یا جنس متوسط) کیلئے لازمی ہے کہ فصولِ مقومہ بھی ہوں اور فصولِ مقسمہ بھی۔

ہر ایسی فصل جو عالی کیلئے مقوم بنے گی وہ لازماً سافل کیلئے بھی مقوم بنے گی کیونکہ خود عالی سافل کا جزء ہوتا ہے (جیسا کہ پہلے تفصیل سے گزر چکا ہے)۔ پس عالی کی فصل بھی سافل کا جزء اور مقوّم ہوگی لیکن اس کا عکس ضروری نہیں کہ جو سافل کیلئے مقوّم ہو وہ لازماً عالی کیلئے بھی مقوّم ہوگی۔ کیونکہ سافل عالی کیلئے جز نہیں ہوتی، لہٰذا اس کی فصل بھی عالی کا جزء نہیں ہوگی۔ یہ بات فصلِ مقوّم کی تھی۔

فصلِ مقسم میں اس کے بالکل برعکس ہے یعنی ہر وہ فصل جو سافل کیلئے مقسم ہوگی وہ عالی کیلئے بھی مقسم ہوگی۔ کیونکہ خود سافل عالی کی ایک قسم ہے۔ جو اس کی قسم ہوگی وہ لازماً عالی کی بھی قسم ہوگی کیونکہ قاعدہ ہے کہ قسم کی قسم، قسم ہوتی ہے۔ لیکن اس کا عکس ضروری نہیں کہ جو فصل عالی کیلئے مقسم ہو وہ سافل کیلئے بھی مقسم ہو۔

یہاں کلی اور جزئی اور اس کے متعلق مباحث مکمل ہوگئیں۔

معرِّف کا بیان

الفصل الرابع فی التعریفات۔ المعرف للشیء هو :الذی یستلزم تصوره تصور ذلک الشیء، أو امتیازه عن کل ما عداه، وهو لا یجوز أن یکون نفس الماهیة لأن المعرف

معلوم قبل المعرف، والشیء لا یعلم قبل نفسه، ولا اعم، لقصوره عن افادة التعریف، ولا أخص، لکونه أخفی۔ فهو مساولها فی العموم والخصوص۔

یعنی ''چوتھی فصل تعریفات کے بیان میں ہے۔ کسی شے کا معرِف وہی ہوتا ہے جس کے تصور سے اس چیز کا تصور لازم آتا ہو یا وہ معرِف اس شے کو اس کے علاوہ تمام چیزوں سے جدا کردے۔ یہ جائز نہیں ہے کہ معرِف بعینہٖ وہی ماہیت ہو کیونکہ معرِف، معرَف سے پہلے معلوم ہوتا ہے اور کوئی چیز خود اپنے آپ سے پہلے معلوم نہیں ہوسکتی۔ یہ بھی جائز نہیں کہ معرِف، معرَف سے اعم ہو کیونکہ عام تعریف کا فائدہ دینے سے قاصر ہوتا ہے۔ یہ بھی جائز نہیں کہ معرِف، معرَف سے خاص ہو کیونکہ خاص تو زیادہ پوشیدہ ہوتا ہے۔ پس (معرِف کیلئے لازمی ہوا کہ) وہ عموم اور خصوص میں معرَف کے مساوی ہو۔''

شرح:

گزشتہ اسباق میں یہ بات گزر چکی ہے کہ وہ معلوماتِ تصوریہ جن کے ذریعے مجہولاتِ تصوریہ حاصل ہوتے ہوں ان کو قولِ شارح یا معرِّف یا تعریف کہتے ہیں۔ اس کی مبادیات سے فارغ ہوکر اب اصل بحث شروع کررہے ہیں کہ قول شارح کسے کہتے ہیں، اس کی شرائط اور اقسام وغیرہ کیا ہیں؟

مصنفؒ کی عبارت سے معلوم ہوگیا کہ معرِف کی دو قسمیں ہیں :

ا۔ وہ معرِف جس کے تصور سے اس کے معرَف شے کی حقیقت کا تصور حاصل ہوتا ہو۔ اس کو حدِّ تام کہتے ہیں جیسے انسان کا معرِف حیوان ناطق ہے جو جنس اور فصل سے مرکب ہے اور اس کا تصور آتے ہی خود بخود انسان کی حقیقت کا تصور حاصل ہوجاتا ہے۔

۲۔ وہ معرِف جو اپنے معرَف شے کو اس کے علاوہ تمام چیزوں سے جدا کردے (اگرچہ اس معرِف کے تصور سے اس شے کا تصور لازم نہ آتا ہو) اس کی ایک صورت حدِّ ناقص ہوتی ہے اور دوسری رسم، جیسا کہ آگے تفصیل آرہی ہے۔

اگر معرِف کی نسبت اس کے معرَف کی طرف کریں تو چار صورتیں بنتی ہیں:

۱۔ معرِف یا تو بالکل وہی معرَف ہوگا۔ ظاہر ہے کہ یہ بالکل غلط ہے کیونکہ عقلی طور پر معرِف کا معرَف سے پہلے معلوم ہونا ضروری ہے تاکہ وہ تعریف کا فائدہ دے سکے۔ پس جب معرِف اور معرَف بعینہٖ ایک ہوگئے تو لازم آئے گا کہ ایک شے اپنی نفس سے پہلے معلوم ہو جو واضح طور پر باطل ہے۔

۲۔ معرِف اپنے معرَف کی نسبت عام ہو۔ یہ بھی درست نہیں کیونکہ عام نہ تو حقیقت کا فائدہ دیتا ہے نہ ہی اپنے معرَف کو اس کے علاوہ سے جدا کرسکتا ہے۔

۳۔ معرِف اپنے معرَف کی نسبت خاص ہو۔ یہ بھی درست نہیں کیونکہ خاص میں قیودات زیادہ ہونے کی وجہ سے زیادہ خفاء پیدا ہوجاتا ہے۔ جبکہ تعریف تو خفاء دور کرنے کیلئے ہوتی ہے۔

۴۔ معرِف خود عموم اور خصوص میں معرَف کے مساوی ہو۔ یہ ہی صورت درست ہے۔

اسی تفصیلی بات کو اہلِ منطق دو تعبیرات سے بیان کرتے ہیں:

۱۔ تعریف کیلئے لازمی ہے کہ وہ جامع مانع ہو۔ تعریف کے جامع ہونے کا معنی یہ ہے کہ معرَف کے تمام افراد کو شامل ہو اس طرح کہ جس فرد پر بھی معرَف صادق آئے اس پر تعریف بھی صادق آئے۔ مانع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ تعریف میں کوئی ایسا فرد داخل نہ ہو جو معرَف کے افراد میں سے نہ ہو۔

۲۔ تعریف کیلئے لازمی ہے کہ وہ مطّرد اور منعکس ہو۔

اطراد کے معنیٰ ہے **"التلازم فی الثبوت"** یعنی **"کلما صدق علیه التعریف**

صدق عليه المعرَف" (ہر وہ فرد کہ جس پر تعریف صادق آئے اس پر معرَف بھی صادق آئے) پچھلی تعریف میں اسی چیز کو مانع ہونے سے تعبیر کیا تھا۔

انعکاس کا معنیٰ ہے "**التلازم فی الانتفاء**" یعنی "**کلما انتفی التعریف انتفی المعرَف**" (جہاں کہیں تعریف صادق نہ آئے تو وہاں معرَف بھی صادق نہ آئے) پچھلی تعریف میں اسی چیز کو جامع ہونے سے تعبیر کیا تھا۔

حدّ تام، ناقص۔ رسم تام، ناقص

ویسمی حدا تاما أن کان بالجنس والفصل القریبین، وحدا ناقصا إن کان بالفصل القریب وحده أو به وبالجنس البعید، ورسما تاما إن کان بالجنس القریب والخاصة، ورسما ناقصا إن کان بالخاصة وحدها أو بها وبالجنس البعید۔

یعنی "وہ معرِف جو جنس قریب اور فصل قریب سے مل کر بنے تو اسے حد تام کہتے ہیں۔ جو معرِف صرف فصل قریب سے یا فصل قریب اور جنس بعید سے مل کر بنے تو اسے حد ناقص کہتے ہیں۔ جو معرِف جنسِ قریب اور خاصہ سے مل کر بنے تو اسے رسم تام کہتے ہیں۔ جو معرِف صرف خاصہ سے یا خاصہ اور جنسِ بعید سے مل کر بنے تو اسے رسم ناقص کہتے ہیں۔"

شرح:

معرِف کی چار قسمیں ہیں:

۱۔ حد تام : ایسے معرِف کو کہتے ہیں جس میں کسی شے کی تعریف جنس قریب اور فصل قریب سے کی جائے۔ جیسے انسان کی تعریف حیوان ناطق سے کی جائے۔

۲۔حدناقص :ایسے معرِف کو کہتے ہیں جس میں کسی شے کی تعریف اس کی جنس بعیداور فصل قریب سے یا صرف فصل قریب سے کی جائے، جیسے انسان کی تعریف جسم ناطق یا صرف ناطق سے کی جائے۔

۳۔رسم تام :ایسے معرِف کو کہتے ہیں جس میں کسی شے کی تعریف اس کی جنس قریب اور خاصہ سے کی جائے۔ جیسے انسان کی تعریف حیوان ضاحک سے کی جائے۔

۴۔رسم ناقص :ایسے معرِف کو کہتے ہیں جس میں کسی شے کی تعریف اس کی جنس بعیداور خاصہ سے یا صرف خاصہ سے کی جائے۔ جیسے انسان کی تعریف جسم ضاحک یا صرف ضاحک سے کی جائے۔

ذاتیات سے تعریف کرنے کو حداس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ حد کے لغوی معنیٰ ہیں ''منع'' یعنی روکنا اور چونکہ یہ بھی تمام اجنبی اغیار کو داخل ہونے سے روک دیتی ہے اس لیے اس کو حد کہتے ہیں۔اوراس کی پہلی قسم کو تام اس لیے کہتے ہیں کیونکہ وہ تمام ذاتیات پر مشتمل ہوتی ہے اور دوسری قسم کو ناقص اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں بعض ذاتیات ہوتی ہیں اور بعض نہیں ہوتیں۔

ایسی تعریف کو جو خاصہ پر مشتمل ہو، رسم اس لیے کہتے ہیں کیونکہ ''رسم الدار'' گھر کے نشانات کو کہا جاتا ہے اور خاصہ بھی ماہیت سے خارج اس کا اثر ہوتا ہے۔ پھر اس کی پہلی قسم کو تام اس لیے کہتے ہیں کیونکہ وہ اس بات میں حد تام کے مشابہ ہوتی ہے کہ دونوں میں جنس قریب کا ذکر ہوتا ہے۔ اور دوسری قسم کو ناقص اس لیے کہتے ہیں کہ رسم تام کے کچھ اجزاء اس سے حذف ہوجاتے ہیں۔

تعریف کی ان چاروں قسموں میں عرض عام کا ذکر نہیں آیا کیونکہ تعریف کا مقصد یا تو حقیقت کا پتہ چلانا ہوتا ہے یا دوسروں سے تمیز دینا اور عرض عام ان دونوں چیزوں میں سے کسی کا فائدہ نہیں دیتا لہٰذا اس کو تعریف میں ذکر کرنا بے کار ہے۔

ويجب الاحتراز عن تعريف الشيء بما يساويه في المعرفة والجهالة، كتعريف الحركة بما ليس بسكون، والزوج بما ليس بفرد، وعن تعريف الشيء بما لا يعرف إلا به، سواءكان بمرتبة واحدة، كما يقال :الكيفية ما به تقع المشابهة، ثم يقال :المشابهة اتفاق في الكيفية، أو بمراتب، كما يقال : الاثنان زوج أول، ثم يقال :الزوج الاول هو المنقسم بمتساويين، ثم يقال :المتساويان هما الشيئان اللذان لا يفضل أحدهما على الآخر، ثم يقال :الشيئان هما الاثنان، ويجب أن يحترز عن استعمال الفاظ غريبة وحشية غير ظاهرة الدلالة بالقياس إلى السامع لكونه مفوتاللغرض۔

یعنی ''اور اس سے بچنا ضروری ہے کہ کسی چیز کی تعریف ایسے الفاظ کے ساتھ کی جائے جو معرفت اور جہالت میں اس کے برابر ہو جیسے حرکت کی تعریف کی جائے ''مالیس بسکون'' اور زوج کی تعریف کی جائے ''مالیس بفرد''۔ اس سے بھی بچنا ضروری ہے کہ کسی شے کی تعریف اس چیز کے ساتھ کی جائے جو صرف اسی کے ذریعے معلوم ہوسکتی ہو، خواہ ایک درجہ کے ساتھ ہو جیسے کہا جائے کہ کیفیت وہ ہے جس کے ذریعے مشابہت واقع ہو۔ پھر مشابہت کی تعریف میں کہا جائے کہ ''کیفیت میں متفق ہونا'' یا یہ چند درجات کے ساتھ ہو جیسے کہا جائے کہ ''اثنان'' پہلا جفت ہے۔ پھر جفت کی تعریف کی جائے کہ وہ ہے جو دو مساوی عدد پر تقسیم ہوجائے۔ پھر اس کی تعریف یوں کی جائے کہ دو متساوی چیزیں وہ ہیں جن میں سے کوئی ایک دوسرے پر ترجیح نہ

رکھتے ہوں۔ پھر کہا جائے یہ دونوں چیزیں ''اثنان'' ہیں۔ تعریف میں
ایسے اجنبی اور وحشت پیدا کرنے والے لفظوں سے بچنا بھی ضروری ہے
جو سننے والے کے نزدیک ظاہر اور واضح دلالت کرنے والے نہ
ہوں۔ کیونکہ اس صورت میں تعریف کا مقصد ختم ہوجائے گا۔''

شرح:

یہاں مصنفؒ ایسی خامیوں کو بیان کررہے ہیں جن سے تعریف کا پاک ہونا ضروری ہے ورنہ تعریف اپنا مقصد اور افادیت کھودے گی۔ تعریف میں پائے جانی والی خامیاں دوطرح کی ہیں، اوّل معنوی، دوم لفظی۔

معنوی لحاظ سے مصنفؒ نے تعریف کی دو خامیاں ذکر کی ہیں:

ا۔ کسی شے کی تعریف اس سے کی جائے جو معرفت اور جہالت میں بالکل اس کے برابر ہو۔ جیسے حرکت کی تعریف کی جائے "**مالیس بسکون**" اب حرکت اور سکون دو ایسے لفظ ہیں کہ جو شخص دونوں میں سے کسی ایک کا بھی علم رکھتا ہوگا تو اسے لازماً دوسرے کا بھی علم ہوگا اور اگر وہ ان دونوں لفظوں میں سے کسی ایک سے جاہل ہوگا تو وہ دوسرے سے بھی جاہل ہوگا۔ لہٰذا ایسی تعریف کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔

۲۔ کسی شے کی تعریف ایسے مفہوم سے کی جائے جس کا معلوم ہونا خود اسی شے پر موقوف ہو۔ ظاہر ہے کہ یہ دور ہے جس کا باطل ہونا پہلے گزر چکا ہے۔ تعریف کا معرَف سے پہلے معلوم ہونا ضروری ہے تب ہی اس کا فائدہ ہوگا اب اگر خود تعریف معرَف پر موقوف ہوجائے تو لازم آئے گا کہ تعریف کا معلوم ہونا خود اپنی ذات پر موقوف ہے اور یہ بالکل باطل ہے۔

تعریف میں لفظی خامیوں کی تین صورتیں بیان کی گئی ہیں:

ا۔ تعریف میں ایسے لفظ استعمال کیے جائیں جو اہل زبان کے نزدیک مشہور و معروف نہیں جیسے کوئی آگ کی تعریف کرے "**النار اسطقس فوق الاسطقسات**" (آگ

عناصر اربعہ یعنی آگ مٹی پانی ہوا میں سے سب سے اہم عنصر ہے)

۲۔تعریف میں مجازی معنیٰ مراد لیے جائیں، یہ بھی درست نہیں کیونکہ سامع کا ذہن پہلے حقیقی معنیٰ کی طرف جاتا ہے۔ جیسے کوئی صحت کی تعریف کرے "**الصحت تاج فوق رؤس الاصحاء لا یراہ الا المرضیٰ**" (صحت، تندرست لوگوں کے سر پر ایسا تاج ہے جسے صرف بیمار لوگ ہی دیکھ سکتے ہیں) البتہ اگر کوئی مضبوط قرینہ موجود ہو تو پھر مجازاً استعمال کرنا جائز ہے۔

۳۔لفظ مشترک استعمال کرنا، کیونکہ اس کا کوئی ایک معنیٰ متعین نہیں ہوتا لہٰذا سامع کو تعریف کا فائدہ حاصل نہیں ہوگا۔ یہاں بھی اگر کوئی قرینہ کسی ایک معنی کو متعین کرنے کیلئے موجود ہو تو پھر لفظ مشترک کے استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

قضیہ کی تعریف و تقسیم

المقالة الثانية :فی القضايا و أحكامها، وفيها مقدمة، وثلاثة فصول، أما المقدمة :ففی تعريف القضية و أقسامها الأولية۔

المقدمة :القضية :قول يصح أن يقال لقائله :إنه صادق فيه أو كاذب، وهی حملية إن انحلت بطر فيها إلى مفردين كقولك، زيد عالم، وزيد ليس بعالم، وشرطية إن لم تنحل۔

یعنی "دوسرا مقالہ قضایا اور اس کے احکام کے بیان میں ہے، اس میں ایک مقدمہ اور تین فصلیں ہیں۔ مقدمہ میں قضیہ کی تعریف اور اس کی اولین قسمیں ہیں۔ قضیہ ایسا قول ہے جس کے کہنے والے کے بارے میں یہ صحیح ہو کہ یہ اس میں سچا یا جھوٹا ہے۔ اگر یہ قضیہ اپنے طرفین سے دو مفردوں کی طرف حل ہو تو یہ حملیہ ہے جیسے آپ کا کہنا "**زيد عالم**" اور "**زيد ليس بعالم**" ورنہ (اگر قضیہ اپنے طرفین سے دو مفردوں کی طرف حل نہ ہو تو یہ) شرطیہ ہے۔

شرح:

یہاں سے مصنفؒ قضایا اور اس کے احکام کا بیان شروع کر رہے ہیں جو ایک مقدمہ اور تین فصلوں میں مکمل ہوگا۔ مقدمہ میں قضیہ کی تعریف اور اس کی ان اقسام کا بیان ہوگا جو اس کی براہ راست قسمیں ہیں۔ ورنہ جو قضیہ کی بالواسطہ قسمیں ہیں یعنی اس کے اقسام کی اقسام ہیں ان کا بیان یہاں نہیں بلکہ آگے چل کر آئے گا۔ متن میں ''**اقسامها الاولیه**'' سے یہی مراد ہے۔

قضیہ کی تعریف متن میں واضح طور پر موجود ہے۔

یہاں قضیہ کی دو قسمیں بیان کی ہیں: اول حملیہ، دوم شرطیہ۔ شارح نے ان کی تین تعریفات ذکر کی ہیں۔ ان کو سمجھنے سے پہلے انحلال کا مطلب سمجھ لیں:

انحلال کے معنی ہیں قضیہ کے دونوں جزوں کو الگ الگ کر دینا اور ان دونوں کو ربط دینے والے حروف اور الفاظ کو حذف کر دینا۔

۱۔ قضیہ اگر ہم اس کا انحلال کریں تو اگر اس کے دونوں طرف انحلال کے بعد مفرد ہوں تو قضیہ حملیہ ہے ورنہ شرطیہ ہے۔

۲۔ اگر قضیہ کا انحلال دو قضیوں کی طرف ہو تو وہ شرطیہ ہے ورنہ حملیہ ہے۔

۳۔ قضیہ اگر اس کے دونوں طرف مفرد ہوں تو وہ حملیہ ہے ورنہ شرطیہ ہے۔

یہ تیسری تعریف درست ہے کیونکہ اس میں انحلال کی قید موجود نہیں ہے۔

قضیہ حملیہ کی مثال ''**العلم نور**'' ہے۔ اس کے دونوں حصے یعنی علم اور نور مفرد ہیں۔

قضیہ شرطیہ کی مثال ''**ان کانت الشمس طالعة فالنهار موجود**'' ہے۔ اس کے دونوں حصے یعنی الشمس طالعۃ اور النہار موجود مستقل طور پر قضیہ ہیں۔

قضیہ شرطیہ کی اقسام

والشرطية إما متصلة وهی التی حکم فیها بصدق قضية أو لا

صدقها علٰی تقدیر صدق قضیة أخری، کقولنا :إن کان هذا إنسانا فهو حیوان۔ ولیس إن کان هذا إنساناً فهو جماد، وإما منفصلة وهی التی یحکم فیها بالتنافی بین القضیتین فی الصدق والکذب معا، أو فی أحدهما فقط، أو بنفیه کقولنا : إما أن یکون هذا العدد زوجا أو فردا، ولیس إما أن یکون هذا الانسان حیوانا أو أسود۔

یعنی ’’قضیہ شرطیہ یا تو متصلہ ہوگا اور وہ یہ ہے کہ جس میں ایک قضیہ کے صدق یا عدم صدق کا حکم دوسرے قضیہ کے صدق کی تقدیر پر لگایا جائے۔ جیسے ہمارا یہ کہنا کہ اگر یہ انسان ہے تو حیوان بھی ہے اور یہ کہنا کہ ایسا نہیں ہوسکتا کہ اگر یہ انسان ہو تو یہ جماد ہو۔ یا قضیہ شرطیہ منفصلہ ہوگا اور وہ یہ ہے کہ جس میں دونوں قضایا کے درمیان بیک وقت یا دونوں میں سے صرف ایک میں منافات یا منافات کی نفی کا حکم لگایا جائے۔ جیسے ہمارا یہ کہنا کہ یا یہ عدد جفت ہوگا یا طاق اور یہ کہنا کہ ایسا نہیں ہے کہ یہ انسان حیوان ہو یا اسود ہو۔‘‘

شرح:

قضیہ شرطیہ کی دو قسموں کو بیان کر رہے ہیں :اول متصلہ، دوم منفصلہ

شرطیہ متصلہ ایسا قضیہ ہے کہ جس میں ایک قضیہ کے تسلیم کر لینے پر دوسرے قضیہ کے ثابت ہونے یا نفی ہونے کا حکم ہو۔ اگر ثبوت کا حکم ہوگا تو یہ متصلہ موجبہ ہوگا اور نفی کا حکم ہوگا تو متصلہ سالبہ ہوگا۔

متصلہ موجبہ کی مثال جیسے ”**إن کانت الشمس طالعة فالنهار موجود**“ (اگر سورج نکلے گا تو دن موجود ہوگا)

متصلہ سالبہ کی مثال جیسے "**لیس البتة کلما کانت الشمس طالعة کان اللیل موجود**" (ایسا نہیں ہے کہ جب سورج طلوع ہو تو رات موجود ہے)

قضیہ شرطیہ کی دوسری قسم شرطیہ منفصلہ ہے جس کی اپنی تعریف اور اقسام مندرجہ ذیل ہیں:

شرطیہ منفصلہ وہ قضیہ شرطیہ ہے جس کے دونوں قضایا کے درمیان انفصال یعنی جدائی کا حکم لگایا گیا ہو۔

شرطیہ منفصلہ کی تین قسمیں ہیں :

۱۔منفصلہ حقیقیہ : ایسا قضیہ منفصلہ ہے جس میں مقدم اور تالی کے درمیان انفصال صدق اور کذب دونوں میں ہو۔یعنی نہ تو دونوں ایک ساتھ جمع ہوسکتے ہوں اور نہ ایک ساتھ دونوں اٹھ سکتے ہوں۔ بلکہ ایسا ہو کہ اگر مقدم پایا جائے تو تالی نہ ہو اور تالی ہو تو مقدم نہ ہو جیسے "**العدد إما زوج وإما فرد**" (عدد یا جفت ہوگا یا طاق)۔پس اس مثال میں نہ تو یہ ہوسکتا ہے کہ کوئی عدد جفت اور طاق دونوں ہوں، اور نہ یہ ہوسکتا ہے کہ دونوں میں سے ایک بھی نہ ہو۔یعنی نہ جفت ہو نہ طاق ہو بلکہ ان دونوں میں سے ایک ضرور ہوگا۔

۲۔منفصلہ مانعۃ الجمع : ایسا قضیہ منفصلہ ہے جس میں مقدم اور تالی کے درمیان انفصال صرف صدق میں ہو یعنی دونوں ایک ساتھ جمع نہ ہوسکتے ہوں خواہ اٹھ سکتے ہوں۔ جیسے "**ھذا الشیء إما شجر أو حجر**" (یہ چیز درخت ہوگی یا پتھر) تو اس مثال میں دونوں جمع نہیں ہوسکتے یعنی یہ نہیں ہوسکتا کہ کوئی چیز درخت اور پتھر دونوں ہوجائے۔ البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ نہ درخت ہو اور نہ پتھر بلکہ دونوں کے علاوہ کوئی اور چیز ہو۔

۳۔منفصلہ مانعۃ الخلو : ایسا قضیہ منفصلہ ہے جس میں مقدم اور تالی کے درمیان انفصال صرف کذب میں ہو۔یعنی دونوں ایک ساتھ اٹھ نہ سکتے ہوں خواہ دونوں جمع ہوجائیں۔ جیسے "**زید إما فی البحر أو لا یغرق**" (زید یا تو دریا میں ہوگا یا نہ ڈوبے گا) پس یہ دونوں اٹھ نہیں سکتے۔

یعنی یہ نہیں ہوسکتا کہ زید دریا میں نہ ہو اور ڈوب جائے۔ البتہ دونوں جمع ہوسکتے ہیں کہ زید دریا میں ہو اور نہ ڈوبے بلکہ تیر رہا ہو۔

قضیہ منفصلہ کی ان تینوں اقسام میں اگر ایجاب اور سلب کا اعتبار کیا جائے تو ہر ایک کی دو دو قسمیں ہوں گی اور اس طرح یہ کل چھ اقسام بن جائیں گی۔ یعنی حقیقیہ موجبہ، حقیقیہ سالبہ، مانعۃ الجمع موجبہ، مانعۃ الجمع سالبہ، مانعۃ الخلو موجبہ، مانعۃ الخلو سالبہ۔

قضیہ حملیہ کے اجزاء

الفصل الاول فی الحملية :وفيه اربعة مباحث :البحث الاول :فی أجزاءها وأقسامها، الحملية إنما تتحقق بأجزاء ثلاثة :محكوم عليه، ويسمى موضوعا، ومحكوم به، ويسمى محمولا، ونسبة بينهما بها يرتبط المحمول بالموضوع، واللفظ الدال عليها يسمى رابطة، كهو فی قولنا: زيد هو عالم، وتسمى القضية حينئذ ثلاثية، وقد تحذف الرابطة فی بعض اللغات لشعور الذهن بمعناها، والقضية تسمى حينئذ ثنائية۔

یعنی ''پہلی فصل قضیہ حملیہ کے بیان میں، اس میں چار ابحاث ہیں، پہلی بحث میں قضیہ حملیہ کے اجزاء اور ان کے اقسام کا بیان ہے۔ قضیہ حملیہ تین اجزاء کے ذریعے ثابت ہوتا ہے :اول محکوم علیہ جس کو موضوع کہتے ہیں، دوم محکوم بہ جس کو محمول کہتے ہیں اور سوم ان دونوں کے درمیان نسبت جس کے ذریعے محمول موضوع کے ساتھ جڑا ہوا ہوتا ہے۔ جو لفظ اس نسبت پر دلالت کرتا ہے اس کو رابطہ کہا جاتا ہے۔ جیسے ''زید ہو عالم'' میں ''ہو'' ہے۔ اس وقت (جب رابطہ لفظوں میں ذکر ہو) قضیہ کا

نام ثلاثیہ رکھا جاتا ہے۔ کبھی رابطہ کو بعض زبانوں میں اس وجہ سے
حذف کردیا جاتا ہے کہ ذہن خود اس کے معنیٰ سمجھ لیتا ہے۔ اس وقت
(جب رابطہ لفظوں میں ذکر نہ ہو) قضیہ کو ثنائیہ کہا جاتا ہے۔"

شرح:

قضیہ حملیہ کے اجزاء چونکہ قضیہ شرطیہ کے اجزاء سے کم ہوتے ہیں اس لیے قضیہ حملیہ کی بحث پہلے کررہے ہیں۔

قضیہ حملیہ کے تین حصے ہوتے ہیں :

۱۔محکوم علیہ :اس کو موضوع کہتے ہیں، وجہ تسمیہ یہ ہے کہ محکوم علیہ کو اس لیے وضع اور مقرر کیا جاتا ہے کہ اس پر کسی چیز کا حکم لگایا جائے۔

۲۔محکوم بہ :اس کو محمول کہتے ہیں، وجہ تسمیہ یہ ہے کہ محمول کے معنیٰ ہیں اٹھائے ہوئے۔ یہ بھی چونکہ اپنے موضوع پر اٹھا کر لاد دیا جاتا ہے اس لیے محمول کہلاتا ہے۔

۳۔نسبت : جو موضوع اور محمول کو جوڑنے کیلئے ہوتی ہے۔ اس کو نسبت حکمیہ کہتے ہیں۔ چونکہ یہ ایک معنوی چیز ہے اس لیے اس پر دلالت کرنے والا جو لفظ ہوتا ہے اس کو رابطہ کہتے ہیں۔

رابطہ کی دو قسمیں ہیں :

۱۔رابطۂ زمانیہ : وہ ہے جو اس بات پر دلالت کرے کہ موضوع اور محمول کے درمیان نسبت تینوں زمانوں میں سے کسی ایک زمانے میں پائے جارہی ہے۔ جیسے **"زید کان قائما"** میں **"کان"**

۲۔رابطہ غیر زمانیہ : جو کسی زمانے پر دلالت نہ کرے۔ جیسے **"زید هو عالم"** میں **"هو"**۔

اب یہ رابطہ کبھی لفظوں میں ذکر ہوتا ہے اور کبھی خود بخود سمجھ میں آنے کی وجہ سے حذف

کردیا جاتا ہے۔اس اعتبار سے قضیہ کی دو قسمیں ہوجاتی ہیں:

۱۔قضیہ ثلاثیہ : وہ قضیہ ہے جس میں رابطہ ذکر کیا گیا ہو۔اس کو ثلاثیہ اس لیے کہتے ہیں کہ اس کے تین حصے ہوتے ہیں،محکوم علیہ،محکوم بہ اور رابطہ۔

۲۔قضیہ ثنائیہ : وہ قضیہ ہے جس میں رابطہ ذکر نہ کیا گیا ہو،اس کو ثنائیہ اس لیے کہتے ہیں کہ اس کے صرف دو حصے ہوتے ہیں،محکوم علیہ اور محکوم بہ۔

عربی زبان میں کبھی رابطہ کو ذکر کیا جاتا ہے اور کبھی قرینہ کی وجہ سے حذف کردیا جاتا ہے۔یونانی زبان میں رابطۂ زمانیہ کا ذکر ضروری ہے البتہ رابطہ غیر زمانیہ کبھی حذف ہوجاتا ہے۔ فارسی زبان کے ہر جملے میں رابطہ ضرور استعمال ہوتا ہے۔خواہ وہ لفظ کی شکل میں ہو جیسے ہست نیست یا وہ صرف حرکت سے ظاہر ہو۔

موجبہ۔سالبہ

وهذه النسبة إن كانت نسبة بها يصح أن يقال :إن الموضوع محمول، فالقضية موجبة، كقولنا :الانسان حيوان۔ وإن كانت نسبة بها يصح أن يقال :إن الموضوع ليس بمحمول، فالقضية سالبة، كقولنا :الانسان ليس بحجر۔

یعنی''اگر یہ نسبت ایسی ہو کہ جس کے ذریعے سے یہ کہنا صحیح ہو کہ موضوع محمول ہے تو قضیہ موجبہ ہوگا جیسے "**الانسان حیوان**" اور اگر یہ نسبت ایسی ہو جس کے ذریعے سے یہ کہنا صحیح ہو کہ موضوع محمول نہیں ہے تو قضیہ سالبہ ہوگا جیسے **الانسان لیس بحجر۔**''

شرح:

یہ قضیہ حملیہ کی دوسری تقسیم ہے۔نسبت حکمیہ کے اعتبار سے قضیہ حملیہ کی دو قسمیں ہیں:

۱۔قضیہ حملیہ موجبہ : قضیہ میں محکوم علیہ اور محکوم بہ کے درمیان پائی جانے والی نسبت ایسی ہو کہ یہ کہا جا سکے کہ موضوع محمول ہے۔

۲۔قضیہ حملیہ سالبہ : قضیہ میں محکوم علیہ اور محکوم بہ کے درمیان پائی جانے والی نسبت ایسی ہو کہ یہ کہا جا سکے کہ موضوع محمول نہیں ہے۔

شخصیہ، محصورہ، مہملہ، طبیعیہ

وموضوع الحملية إن كان شخصا معينا، سميت مخصوصة وشخصية، وإن كان كليا۔ فإن بين فيها كمية أفراد ما صدق عليه الحكم ويسمى اللفظ الدال عليها سورا سميت محصورة ومسورة، وهی أربع :لأنه إن بين فيها أن الحكم على كل الأفراد فهی الكلية۔ وهی إما موجبة وسورها "كل" كقولنا :كل نار حارة، وإما سالبة وسورها "لاشیء" و"لا واحد" كقولنا :لاشیء أو لا واحد من الناس بجماد۔ وإن بين فيها أن الحكم على بعض الأفراد فهی الجزئية، وهی إما موجبة، وسورها "بعض" او "واحد" كقولنا :بعض الحيوان أو واحد من الحيوان، انسان۔ واما سالبة وسورها "ليس كل" و "ليس بعض" وبعض ليس كقولنا :ليس كل حيوان انسانا، وليس بعض الحيوان بانسان۔ و بعض الحيوان ليس بانسان۔ وإن لم يبين فيها كمية الافراد۔ فإن لم تصلح لأن تصدق كلية وجزئية سميت القضية "طبيعية" كقولنا :الحيوان جنس والانسان نوع، لأن الحكم فيها على نفس الطبيعة، وإن صلحت لذلك سميت "مهملة" كقولنا :

الانسان فی خسر، و الانسان لیس فی خسر۔ وھی فی قوۃ الجزئیۃ، لأنہ متی صدق "الانسان فی خسر" صدق "بعض الانسان فی خسر" وبالعکس۔

یعنی "قضیہ حملیہ کا موضوع اگر کوئی شخص معین ہوتو اسے "قضیہ مخصوصہ اور شخصیہ" کہا جاتا ہے اور اگر اس کا موضوع کلی ہو (تو دیکھیں گے) اگر ان افراد کی تعداد بیان کی گئی ہو جن پر حکم صادق آتا ہے تو اسے "قضیہ محصورہ اور مسورہ" کہا جاتا ہے۔ جو لفظ مقدار پر دلالت کرتا ہے اس کو سور کہتے ہیں یہ یعنی محصورہ چار ہیں، کیونکہ اگر اس میں یہ ظاہر کیا گیا ہو کہ حکم تمام افراد پر ہے تو کلیہ ہے پھر کلیہ یا تو موجبہ ہے جس کا سور لفظ "**کل**" ہے جیسے "**کل نار حارۃ**" یا یہ کلیہ سالبہ ہے جس کا سور "**لاشیء**" اور "**لاواحد**" ہے جیسے "**لاشیء یالاواحد من الناس بجماد**"۔ اگر اس میں یہ بیان کیا گیا ہو کہ حکم بعض افراد پر ہے تو وہ جزئیہ ہے جو یا تو موجبہ ہوگا جس کا سور "**بعض**" اور "**واحد**" ہے جیسے "**بعض الحیوان یاواحد من الحیوان انسان**"۔ یا یہ جزئیہ سالبہ ہے جس کا سور "**لیس کل**" "**لیس بعض**" اور "**بعض لیس**" ہے جیسے "**لیس کل حیوان انساناً، لیس بعض الحیوان بإنسان** اور **بعض الحیوان لیس بإنسان**"۔ اگر قضیہ میں افراد کی مقدار (تعداد) بیان نہ کی گئی ہو تو اگر وہ کلی اور جزئی طور پر صادق آنے کی صلاحیت نہیں رکھتا تو اسے قضیہ طبعیہ کہتے ہیں جیسے "**الحیوان جنس**" اور "**الانسان نوع**" کیونکہ اس میں نفس طبیعت پر حکم ہوتا ہے۔ اور اگر یہ (کلی یا جزئی طور پر صادق آنے کی) صلاحیت رکھتا ہو

توقضیہ مہملہ ہے جیسے "الانسان فی خسر" اور "الانسان لیس فی خسر"۔ قضیہ مہملہ جزئیہ کی قوت میں ہوتا ہے۔ کیونکہ جب "الانسان فی خسر" صادق آئے گا تو "بعض الانسان فی خسر" اور اس کا عکس بعض الانسان لیس فی خسر بھی صادق آئے گا"۔

شرح:

قضیہ حملیہ کی اپنے موضوع کے اعتبار سے چار قسمیں بیان کرتے ہیں چونکہ ان چاروں قسموں میں موضوع کا اعتبار ہوتا ہے اس لیے آپ دیکھیں گے کہ ان قضایا کے نام بھی موضوع کے مطابق ہیں:

۱۔قضیہ مخصوصہ یا شخصیہ :ایسا قضیہ حملیہ ہے جس کا موضوع جزئی حقیقی یعنی شخص معین ہے جیسے زید عادل اور اللہ رزّاق۔ اس کو شخصیہ اس لیے کہتے ہیں کہ اس کا موضوع معین شخص ہوتا ہے اور مخصوصہ اس لیے کہ اس کا موضوع خاص ہوتا ہے۔

۲۔قضیہ محصورہ یا مسورہ : یہ وہ قضیہ حملیہ ہے جس کا موضوع کلی ہو اور حکم اس کلی کے افراد پر ہو اور ان افراد کی تعداد بھی بیان کردی جائے جیسے کل انسان حیوان۔ اس قضیہ کو محصورہ اس لیے کہتے ہیں کہ اس کا معنی ہے گھیرے میں لیا ہوا۔ یہ قضیہ بھی موضوع کے افراد کو گھیر لیتا ہے اور اس کو مسورہ اس لیے کہتے ہیں کیونکہ یہ سور پر مشتمل ہوتا ہے جس کی تفصیل آیا چاہتی ہے۔

۳۔قضیہ طبعیہ :ایسا قضیہ حملیہ ہے جس کا موضوع کلی ہو اور حکم کلی کی حقیقت اور طبیعت پر ہو، اس کے افراد پر نہ ہو۔ جیسے الانسان نوع میں نوع ہونے کا حکم انسان کی حقیقت پر ہے انسان کے افراد پر نہیں۔ اس کو طبعیہ اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں موضوع کی نفس طبیعت اور ماہیت پر حکم لگایا جاتا ہے۔

۴۔قضیہ مہملہ :ایسا قضیہ حملیہ ہے جس کا موضوع کلی ہو اور حکم کلی کے افراد پر ہو لیکن افراد کی مقدار نہ بیان کی جائے۔ جیسے الانسان حیوان۔ اس کو مہملہ اس لیے کہتے ہیں کہ اس کے معنی

ہیں بے کار چھوڑا ہوا۔ یہ قضیہ بھی موضوع کے افراد کی مقدار کو چھوڑ دیتا ہے، بیان نہیں کرتا۔

قضیہ حملیہ کی بیان کردہ چاروں قسموں میں سے ایک قسم محصورہ ہے جس کی چار قسمیں ہیں:

۱۔ موجبہ کلیہ : محمول موضوع کے تمام افراد کیلئے ثابت ہو جیسے **کل انسان حیوان**۔

۲۔ موجبہ جزئیہ : محمول موضوع کے بعض افراد کیلئے ثابت ہو جیسے **بعض الحیوان انسان**

۳۔ سالبہ کلیہ : موضوع کے تمام افراد سے محمول کی نفی کی جائے جیسے **لاشیء من الانسان بحجر**

۴۔ سالبہ جزئیہ : موضوع کے بعض افراد سے محمول کی نفی کی جائے جیسے **بعض الحیوان لیس بإنسان**۔

قضیہ محصورہ کے ضمن میں سور کا ذکر آتا ہے۔ سور کے لفظی معنی ہے گھیر لینا اور یہ عرب کے مقولہ "**سور البلد**" (شہر کی دیوار اور فصیل) سے ماخوذ ہے۔ جس طرح شہر کی فصیل پورے شہر کو گھیر لیتی ہے اسی طرح جو لفظ موضوع کے افراد کی تعداد پر دلالت کرتا ہے تو وہ بھی ان افراد کو گھیر لیتا ہے اس لیے اس لفظ کو سور کہا جاتا ہے۔

محصورات کی چاروں قسموں کے الگ الگ سور ہیں جو یہ ہیں:

۱۔ موجبہ کلیہ کا سور لفظ "کل" ہے۔ اس کل سے مراد کلِّ افرادی ہے جس میں ہر ہر فرد مراد ہوتا ہے نہ کہ کل مجموعی۔

۲۔ موجبہ جزئیہ کے دو سور ہیں، بعض اور واحد۔

۳۔ سالبہ کلیہ کے دو سور ہیں، لاشیء اور لاواحد۔

۴۔ سالبہ جزئیہ کے تین سور ہیں، لیس کل، لیس بعض اور بعض لیس۔

شروع میں قضیہ حملیہ کی جو چار قسمیں بیان کی گئیں مناطقہ ان میں سے تیسری قسم یعنی قضیہ طبعیہ سے بحث نہیں کرتے۔

مندرجہ بالا متن کے آخری جملے میں یہ بتایا گیا ہے کہ قضیہ مہملہ، جزئیہ کی قوت میں ہوتا ہے یعنی دونوں ایک دوسرے کو لازم ہیں۔ چنانچہ جب قضیہ مہملہ صادق آئے گا تو جزئیہ بھی صادق آئے گا اور اسی طرح اس کا عکس بھی ہوگا۔

تحقیق محصوراتِ اربعہ

المبحث الثانی :فی تحقیق المحصورات الاربع، قولنا کل (ج ب) یشتمل تارة بحسب الحقیقة، ومعناه أن کل مالو وجد کان (ج) من الافراد الممکنة، فهو بحیث لو وجد کان (ب)۔ أی کل ماهو ملزوم (ج) فهو ملزوم (ب)، وتارة بحسب الخارج، ومعناه :کل (ج) فی الخارج سواء کان حال الحکم أو قبله أو بعده فهو (ب) فی الخارج۔

یعنی ''دوسری بحث محصوراتِ اربع کی تحقیق کے بارے میں ہے۔ ہمارا یہ کہنا ''کل ج ب'' کبھی تو حقیقت کے اعتبار سے استعمال ہوتا ہے جس کا معنی یہ ہوتا ہے کہ ممکنہ افراد میں سے جو بھی فرد موجود ہو کر ج ہوگا تو وہ پائے جانے کی حیثیت سے ب ہوگا۔ یعنی جو بھی ج کا ملزوم ہوگا وہ ب کا بھی ملزوم ہوگا۔ کبھی یہ قول خارج کے اعتبار سے استعمال ہوتا ہے جس کا معنی یہ ہوتا ہے کہ جو خارج میں ج ہوگا خواہ حکم کی حالت میں ہو یا اس سے پہلے یا اس کے بعد، وہ خارج میں ب ہوگا۔''

شرح:

اہل منطق کی یہ عادت ہے کہ جب وہ قضایا کے عمومی احکام بیان کرتے ہیں تو موضوع کو ج کہتے ہیں اور محمول کو ب کہتے ہیں۔ لہٰذا ''ج ب'' کا معنی ہوا کہ ایسا قضیہ حملیہ جو موضوع اور محمول

سے مل کر بنا ہو۔

اس تعبیر کے دو فائدے ہوتے ہیں :ایک تو یہ کہ عبارت مختصر ہو جاتی ہے۔ ہر مرتبہ موضوع اور محمول نہیں کہنا پڑتا۔ دوسرا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ قضیہ کے احکام کسی ایک مادے اور مثال کے ساتھ خاص ہونے کا وہم پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ ہر حکم عام رہتا ہے۔

ہر کلی کا ایک معنیٰ ہوتا ہے جس کو آپ مفہوم کہہ سکتے ہیں اور کچھ اس کلی کے افراد ہوتے ہیں جن پر وہ کلی صادق آتی ہے۔ ان کو آپ ذات کلی کہہ سکتے ہیں۔ موضوع اور محمول بھی چونکہ دونوں کلی ہوتے ہیں لہٰذا یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ موضوع اور محمول سے مراد ذاتِ موضوع اور ذاتِ محمول ہے یا مفہومِ موضوع یا مفہوم محمول؟ اس میں عقلی طور پر کل چار احتمال ہیں:

۱۔ موضوع اور محمول دونوں سے مراد ذات ہو یعنی ان کے مصداق جو افراد ہیں۔

۲۔ موضوع اور محمول دنوں سے مراد مفہوم ہو یعنی جو ان دونوں کا معنی ہے۔

۳۔ موضوع سے مراد ذات ہو اور محمول سے مراد مفہوم ہو۔

۴۔ موضوع سے مراد مفہوم ہو اور محمول سے مراد ذات ہو۔

ان میں سے صحیح احتمال صرف تیسرا ہے کہ قضیہ حملیہ میں موضوع سے مراد ذاتِ موضوع یعنی اس کے افراد ہوتے ہیں اور محمول سے مراد اس کا مفہوم یعنی معنی ہوتا ہے۔

مندرجہ بالا عبارت میں مصنفؒ یہ بتانا چاہ رہے ہیں کہ قضیہ محصورہ کی دو قسمیں ہوتی ہیں، اس اعتبار سے کہ حکم ان کے افراد پر صادق آتا ہے۔

۱۔ حقیقیہ : یہ وہ قضیہ ہوتا ہے جس میں موضوع کے افراد پر مطلقاً حکم لگایا جاتا ہے خواہ وہ خارج میں موجود ہوں یا نہ ہوں۔ پس اگر وہ خارج میں موجود ہوں گے تو حکم ان موجود افراد پر بھی ہوگا جو موجود ہیں اور ان افراد پر بھی جن کے پائے جانے کا گمان ہے۔ اور اگر موضوع ایسی چیز ہے کہ جس کے افراد خارج میں بالکل نہیں ہوتے تو حکم صرف ایسے افراد پر ہوگا جن کے وجود کا گمان ہوسکتا ہے۔ جیسے **"کل عنقاء طائر"** اب عنقاء کا کوئی فرد خارج میں نہیں ہوتا، اگر کوئی

ہوگا تو وہ طائر ہوگا۔

۲۔خارجیہ : یہ وہ قضیہ ہے جس میں ان افراد پر حکم لگایا جاتا ہے جو خارج میں موجود ہوں۔ جیسے "**کل طالب مجتهد**" اس قضیہ میں یہ شرط نہیں ہوتی کہ حکم کے وقت ہی وہ افراد وصفِ موضوع سے متصف ہوں۔ بلکہ اصل چیز یہ ہوتی ہے کہ وہ افراد خارج میں موجود ہیں اور کسی بھی وقت وصفِ موضوع ان میں موجود تھا۔ خواہ حکم کے وقت یا اس سے پہلے یا اس کے بعد۔

بعض اہل منطق یہاں ایک تیسری قسم "ذہنیہ" بیان کرتے ہیں، یعنی وہ قضیہ کہ جس کے موضوع کے افراد کا خارج میں پایا جانا ناممکن ہو۔ جیسے "**شريك البارى ممتنع**"۔ اس طرح کل تین قسمیں ہوئیں : حقیقیہ، خارجیہ اور ذہنیہ۔

حقیقیہ اور خارجیہ

والفرق بين الاعتبارين ظاهر، فأنه لو لم يوجد شيء من المربعات فى الخارج يصح أن يقال :كل مربع شكل، بالاعتبار الاول دون الثانى، ولو لم يوجد شيء من الاشكال فى الخارج الا المربع يصح أن يقال :(كل شكل مربع) بالاعتبار الثانى دون الاول، وعلى هذا فقس المحصورات الباقية۔

یعنی "(حقیقیہ اور خارجیہ کے) دونوں اعتباروں میں فرق واضح ہے کیونکہ مربعات میں سے اگر کوئی چیز خارج میں موجود نہ ہو تو یہ کہنا "**کل مربع شکل**" پہلے اعتبار سے صحیح ہے نہ کہ دوسرے اعتبار سے۔ اور اگر خارج میں اشکال میں سے صرف مربع ہی پائی جاتی ہو تو یہ کہنا "**کل شکل مربع**" دوسرے اعتبار سے صحیح ہے نہ کہ پہلے اعتبار سے۔ اسی پر بقیہ محصورات کو بھی قیاس کر لیں۔"

شرح:

گزشتہ عبارت میں بتایا تھا کہ قضیہ حملیہ موجبہ کلیہ حقیقیہ میں حکم افرادِ موضوع پر مطلقاً ہوتا ہے خواہ وہ موجود فی الخارج ہوں یا مقدّر الوجود ہوں۔ اور قضیہ خارجیہ میں حکم صرف ان افراد پر ہوتا ہے جو خارج میں موجود ہوں۔ اس عبارت میں مصنفؒ دونوں کے درمیان نسبت بیان کرتے ہیں۔ ان دونوں کے درمیان عموم خصوص من وجہ کی نسبت ہے۔

اگر حکم صرف ان افراد پر ہو جو خارج میں موجود ہیں تو خارجیہ صادق آئے گا نہ کہ حقیقیہ جیسے یہ کہا جائے "**كل طالب يستحق المكافأة**" اب اس میں حکم صرف ان افرادِ پر ہے جو خارج میں موجود ہیں۔ اگر حکم ایسے موضوع پر ہو جس کا خارج میں کوئی فرد نہیں ہوتا تو حقیقیہ صادق آئے گا نہ کہ خارجیہ۔ جیسے "**كل عنقاء طائر**" اور اگر حکم ایسے افراد پر بھی جو خارج میں موجود ہیں اور ان پر بھی جن کے پائے جانے کا امکان ہو تو حقیقیہ خارجیہ دونوں صادق آئیں گے۔ جیسے کل انسان حیوان۔

یہ بات صراحۃً تو صرف موجبہ کلیہ کے بارے میں بتائی گئی لیکن محصورات کی بقیہ تینوں قسموں یعنی موجبہ جزئیہ، سالبہ کلیہ اور سالبہ جزئیہ کے بارے میں بھی یہی تفصیل ہے۔

عدول اور تحصیل

المبحث الثالث :في العدول والتحصيل :حرف السلب إن كان جزء ا من الموضوع كقولنا :اللاحي جماد، أو من المحمول، كقولنا :الجماد لا عالم، أو منهما جميعا۔ سميت القضية معدولة، موجبة كانت أو سالبة، وإن لم يكن جزءً لشيء منهما سميت محصلة إن كانت موجبة، وبسيطة إن كانت سالبة۔

یعنی ''تیسری بحث عدول اور تحصیل کے بیان میں ہے، اگر حرف سلب موضوع کا حصہ ہو جیسے **اللاحی جماد** یا محمول کا حصہ ہو جیسے **الجماد لاعالم** یا دونوں کا حصہ ہو تو قضیہ کو معدولہ کہتے ہیں، خواہ موجبہ ہو یا سالبہ۔ اگر حرف سلب ان میں سے کسی کا بھی حصہ نہ ہو تو قضیہ کو محصلہ کہتے ہیں اگر وہ موجبہ ہو۔ اور بسیطہ کہتے ہیں اگر وہ سالبہ ہو۔''

شرح:

یہاں قضیہ حملیہ کی ایک اور تقسیم بیان کر رہے ہیں اس اعتبار سے کہ حرف سلب موضوع اور محمول میں سے کسی کا جزء ہوگا یا نہیں۔ قضیہ حملیہ کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ معدولہ : یعنی وہ قضیہ حملیہ جس میں حرف سلب موضوع محمول میں سے کسی کا جزء ہو، اس کو معدولہ اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں حرف سلب اپنی اصل وضع سے عدول کر کے یعنی نکل کر قضیہ کے موضوع یا محمول کا جزء بن جاتا ہے۔

۲۔ محصلہ : وہ قضیہ حملیہ ہے جس میں حرف سلب موضوع محمول میں سے کسی کا جزء نہ ہو، چونکہ حصول کے معنیٰ وجود کے ہیں اور یہ قضیہ بھی وجودی چیز پر دلالت کرتا ہے اس لیے اس کو محصلہ کہتے ہیں۔ جیسے ''**الانسان حیوان**''

قضیہ معدولہ کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ معدولۃ الموضوع : وہ قضیہ ہے جس میں حرف سلب موضوع کا جزء ہے جیسے ''**اللاحی جماد**''۔ اس میں حرف سلب لاموضوع کا جزء ہے۔

۲۔ معدولۃ المحمول : وہ قضیہ ہے جس میں حرف سلب محمول کا جزء ہے جیسے ''**الجماد لا عالم**'' اس میں حرف سلب لامحمول کا جزء ہے۔

۳۔ معدولۃ الطرفین : وہ قضیہ ہے جس میں حرف سلب موضوع اور محمول دونوں کا حصہ ہو جیسے ''**اللاحی لا عالم**'' اس میں حرف سلب لادونوں کا جزء ہے۔

قضیہ محصلہ اگر موجبہ ہوتو اس کو محصلہ ہی کہتے ہیں لیکن اگر یہ سالبہ ہوتو بعض اہل منطق اس کو بسیطہ بھی کہتے ہیں۔

ایجاب وسلب کی حقیقت

والاعتبار بإيجاب القضية وسلبها بالنسبة الثبوتية أو السلبية، لا بطرفي القضية، فإن قولنا :كل ماليس بحي فهو لا عالم موجبة مع أن طرفيها عدميان، وقولنا :لاشيء من المتحرك بساكن سالبة مع أن طرفيها وجوديان۔

یعنی ''قضیہ کے موجبہ اور سالبہ ہونے میں اعتبار ثبوت نسبت یا سلب نسبت کا ہوتا ہے۔ قضیہ کے دونوں طرفوں کا اعتبار نہیں ہوتا۔ پس ہمارا یہ کہنا کہ ''**كل ماليس بحيٍ فهو لا عالم**'' موجبہ ہے حالانکہ اس کے دونوں طرف عدمی ہیں۔ اور ہمارا یہ کہنا کہ ''**لا شيء من المتحرك بساكن**'' سالبہ ہے حالانکہ اس کے دونوں طرف وجودی ہیں۔''

شرح:

اس عبارت سے مصنفؒ ایک غلط فہمی کا ازالہ کر رہے ہیں وہ یہ ہے کہ کسی قضیے میں صرف حرف سلب کا پایا جانا اس بات کی نشانی نہیں کہ وہ قضیہ سالبہ ہوگا جیسا ابھی قضیہ معدولہ میں بھی گزرا کہ کبھی حرف سلب موضوع یا محمول میں سے کسی کا حصہ ہوگا لیکن قضیہ موجبہ ہی رہے گا، سالبہ نہ ہوگا۔

موجبہ یا سالبہ ہونے کا دارومدار قضیہ میں حرف سلب کے پائے جانے پر نہیں بلکہ اس بات پر ہے کہ قضیہ میں موضوع اور محمول کے درمیان نسبت کا ثبوت کیا جارہا ہے یا سلب۔ اگر نسبت کا ثبوت ہے تو وہ قضیہ موجبہ ہے اور اگر نسبت کا سلب ہے تو قضیہ سالبہ ہے۔

سالبہ بسیطہ وموجبہ معدولہ

والسالبة البسيطة أعم من الموجبة المعدولة المحمول لصدق السلب عند عدم الموضوع دون الايجاب، فإن الايجاب لا يصلح إلا على موجود محقق، كما فى الخارجية الموضوع، أو مقدر كما فى الحقيقة الموضوع۔ أما إذا كان الموضوع موجودا فإنهما متلازمتان، والفرق بينهما فى اللفظ۔ أما فى الثلاثية فالقضية موجبة إن قدمت الرابطة على حرف السلب، وسالبة إن أخرت عنها، وأما فى الثنائية فبالنية، أو بالاصطلاح على تخصيص لفظ غير، أو لا، بالإيجاب العدولى، ولفظ ليس بالسلب البسيط، أو بالعكس۔

یعنی ''سالبہ بسیطہ، موجبہ معدولۃ المحمول سے اعم ہوتا ہے کیونکہ موضوع معدوم ہوتو سلب صادق آتا ہے مگر ایجاب صادق نہیں آتا۔ ایجاب یا تو موجود محقق کا درست ہوتا ہے جیسا کہ قضیہ خارجیۃ الموضوع میں یا موجود مقدر کا جیسے قضیہ حقیقیۃ الموضوع میں۔ جب موضوع موجود ہوتو بسیطہ اور معدولہ دونوں ایک دوسرے کو لازم ہیں۔ ان دونوں میں لفظی فرق قضیہ ثلاثیہ میں اس طرح ہوگا کہ اگر حرف ربط حرف سلب پر مقدم ہوتو یہ قضیہ موجبہ ہے اور اگر حرف ربط حرف سلب سے مؤخر ہوتو یہ قضیہ سالبہ ہے۔ اور قضیہ ثنائیہ میں فرق نیت کے اعتبار سے ہوگا یا اس اصطلاح کے ساتھ فرق ہوگا کہ لفظ ''غیر'' یا ''لا'' کو معدولہ موجبہ کے ساتھ خاص کر دیا جائے اور لفظ ''لیس'' کو سالبہ بسیطہ کے ساتھ۔ یا اس کے بالکل برعکس

اصطلاح مقرر ہو۔“

شرح:

اس عبارت میں مصنفؒ سالبہ بسیطہ اور موجبہ معدولۃ المحمول کے درمیان فرق بیان کر رہے ہیں۔

لیکن پہلے یہاں ایک بات یہ ذہن میں رکھیں کہ ہم پہلے پڑھ چکے ہیں کہ قضیہ حملیہ میں حکم کا معنی ہے محمول کے مفہوم کو افراد موضوع پر حمل کرنا۔ باقی موضوع کا مفہوم تو وہ صرف ایک عنوان کی حیثیت رکھتا ہے۔

عدول اور تحصیل جس کی بحث چل رہی ہے اس کا تعلق مفہوم کے ساتھ ہوتا ہے اور موضوع کا مفہوم قضیہ حملیہ میں معتبر نہیں لہٰذا موضوع کے اعتبار سے قضیہ کے معدولہ یا محصلہ ہونے سے اصل حکم پر کوئی اثر نہیں پڑتا، اسی لیے مصنفؒ نے یہاں معدولۃ المحمول کی بحث کی ہے معدولۃ الموضوع کی بحث نہیں کی۔

محمول کے اعتبار سے قضیہ کے معدولہ یا محصلہ ہونے کی چار صورتیں بنتی ہیں:

۱۔موجبہ محصلہ ۲۔موجبہ معدولہ ۳۔سالبہ محصلہ (سالبہ بسیطہ) ۴۔سالبہ معدولہ

ان چاروں قسموں میں سے اشتباہ صرف دو قسموں کے درمیان پایا جاتا ہے، یعنی سالبہ بسیطہ اور موجبہ معدولۃ المحمول کیونکہ یہ دونوں صرف ایک ایک حرف سلب پر مشتمل ہوتے ہیں۔ موجبہ محصلہ اور دیگر کے درمیان کوئی اشتباہ نہیں کیونکہ موجبہ محصلہ میں کوئی حرف سلب نہیں ہوگا اور دیگر میں حرف سلب ہوگا لہٰذا پہچان آسان ہوگی۔ اسی طرح موجبہ معدولہ اور سالبہ معدولہ کے درمیان بھی کوئی اشتباہ نہیں کیونکہ موجبہ معدولہ میں ایک حرف سلب ہوگا اور سالبہ معدولہ میں دو حرف سلب ہوں گے۔

اشتباہ چونکہ صرف سالبہ بسیطہ اور موجبہ معدولۃ المحمول کے درمیان ہے لہٰذا انہی دونوں کے درمیان فرق کو بیان کرتے ہیں۔ مناطقہ نے ان کے درمیان دو طرح فرق بیان کیا ہے:

۱۔معنوی فرق : سالبہ بسیطہ موجبہ معدولۃ المحمول سے اعم ہے کیونکہ موجبہ میں یہ لازمی ہے کہ موضوع موجود ہو تب ہی اس کے لئے محمول کو ثابت کرنا ممکن ہوگا، معدوم تو خود ثابت نہیں ہوتا اس کیلئے محمول کو کیسے ثابت کیا جا سکتا ہے۔ بخلاف سالبہ کے کہ موضوع موجود ہو یا نہ ہو وہ صادق آتا ہے کیونکہ سلب موجود اور معدوم دونوں سے ہو سکتا ہے۔ پس جب موضوع معدوم ہوگا تو سالبہ صادق آئے گا اور موجبہ صادق نہیں آئے گا جیسے یہ قضیہ "**شریک الباری لیس بصیر**" یہ قضیہ سالبہ ہے۔ یہ موجبہ نہیں بن سکتا کیونکہ موضوع یعنی شریک الباری معدوم ہے اور معدوم کیلئے ایجاب نہیں ہو سکتا۔ البتہ جب موضوع موجود ہوگا تب سالبہ بسیطہ اور موجبہ معدولہ دونوں صادق آئیں گے۔ جیسے "**الطالب لیس بمجتهد**" سالبہ بسیطہ ہے۔ اور "**الطالب غیر مجتهد**" موجبہ معدولۃ المحمول ہے۔

۲۔لفظی فرق : یہ کئی طرح ہوتا ہے:

اول : اگر حرف سلب قضیہ کے شروع میں ہو تو وہ سالبہ ہوگا، موجبہ نہ ہوگا جیسے "**لیس الحدید بذهب**"

دوم : اگر حرف سلب قضیہ کے درمیان میں ہو اور قضیہ ثلاثیہ ہو تو دیکھیں گے اگر حرف سلب کو حرف ربط پر مقدم کیا گیا ہے تو یہ سالبہ بسیطہ ہوگا جیسے "**الحدید لیس هو بذهب**" اور اگر حرف سلب کو حرف ربط سے مؤخر کیا گیا ہو تو یہ موجبہ معدولہ ہوگا جیسے "**الحدید هو لیس بذهب**"

سوم : اگر قضیہ ثنائیہ ہو اور حرف سلب موضوع اور محمول کے درمیان ہو تو قضیہ کا موجبہ معدولہ یا سالبہ بسیطہ ہونے کا دارومدار نیت پر ہوگا۔ اگر سلبِ ربط کا ارادہ ہو تو وہ سالبہ ہوگا اور اگر ربطِ سلب کا ارادہ ہو تو وہ موجبہ ہوگا۔

مناطقہ ان دونوں کے درمیان فرق کرنے کیلئے یہ اصطلاح بھی مقرر کی ہے کہ حرف سلب "لیس" سالبہ بسیطہ میں استعمال ہوگا اور حرف سلب "غیر" اور "لا" موجبہ معدولہ میں۔ بعض مناطقہ نے

اس کے الٹ بھی اصطلاح مقرر کی ہے کہ "لیس" موجبہ معدولہ کیلئے اور "غیر" اور "لا" سالبہ بسیطہ کیلئے۔

موجہات کا بیان

موجہات کے بیان میں چونکہ متن اور پھر اس کے ترجمہ کا ذکر کرنا تطویل کا باعث تھا اس لیے متن اور ترجمہ کو چھوڑتے ہوئے موجہات کا خلاصہ آسان الفاظ میں پیش کیا جارہا ہے۔

قضیہ موجہہ کی تعریف:

قضیہ حملیہ میں محمول کی نسبت جو موضوع کی طرف ہوتی ہے وہ واقع میں کسی کیفیت کے ساتھ ضرور متصف ہوتی ہے۔ یعنی وہ نسبت یا ضروری ہوگی یا دائمی ہوگی یا ممکن ہوگی وغیرہ۔ اس کیفیت کو کبھی لفظوں میں بیان کر دیا جاتا ہے، اس وقت قضیہ موجہہ کہلاتا ہے۔ اگر لفظوں میں کیفیت نہ بیان کی جائے تو اس وقت قضیہ مطلقہ کہلاتا ہے۔

موجہہ کی دو قسمیں ہیں :

ا۔ بسیطہ : ایسا قضیہ موجہہ ہے جس کی حقیقت صرف ایجاب ہو یا صرف سلب ہو۔

۲۔ مرکبہ : ایسا قضیہ موجہہ ہے جس کی حقیقت ایجاب اور سلب دونوں سے مرکب ہو۔

بسائط کا بیان

قضایا بسیطہ آٹھ ہیں :

ا۔ ضروریہ مطلقہ ۲۔ دائمہ مطلقہ ۳۔ مشروطہ عامہ ۴۔ عرفیہ عامہ ۵۔ وقتیہ مطلقہ ۶۔ منتشرہ مطلقہ ۷۔ مطلقہ عامہ ۸۔ ممکنہ عامہ

ا۔ ضروریہ مطلقہ : ایسا قضیہ ہے جس میں محمول کا ثبوت موضوع کیلئے یا محمول کی نفی موضوع سے ضروری ہے۔ جب تک موضوع کی ذات موجود ہے، جیسے **"کل انسان حیوان**

بالضرورة" ہر انسان کا حیوان ہونا ضروری ہے۔ یہ موجبہ کی مثال ہے۔ اور "**لا شیء من الانسان بحجر بالضرورة**" انسان کا پتھر نہ ہونا ضروری ہے، یہ سالبہ کی مثال ہے۔

۲۔ دائمہ مطلقہ : ایسا قضیہ ہے جس میں محمول کا ثبوت موضوع کیلئے یا محمول کی نفی موضوع سے دائمی ہو۔ جب تک موضوع کی ذات موجود ہے۔ ضروریہ مطلقہ کی جو مثال بیان کی گئی ہے وہ دائمہ مطلقہ کی بھی مثال ہوسکتی ہے، صرف بالضرورة کی جگہ بالدوام کہا جائے گا۔

۳۔ مشروطہ عامہ : ایسا قضیہ ہے جس میں محمول کا ثبوت موضوع کے لئے یا محمول کی نفی موضوع سے ضروری ہے۔ جب تک کہ موضوع کی ذات وصف موضوع کے ساتھ موصوف ہو جیسے "**کل کاتب محرک الاصابع بالضرورة مادام کاتباً**" ہر کاتب کیلئے جب تک وہ کاتب ہے ضروری ہے کہ وہ انگلیاں ہلائے، یہ موجبہ کی مثال ہے۔ اور "**بالضرورة لا شیء من الکاتب بساکن الاصابع مادام کاتباً**" کوئی کاتب جب تک وہ کاتب ہے ایسا نہیں ہے کہ اس کی انگلیاں ساکن رہیں اور حرکت کریں۔

۴۔ عرفیہ عامہ : ایسا قضیہ ہے جس میں ثبوت موضوع کا محمول کیلئے یا نفی محمول کی موضوع سے دائمی ہو جب تک کہ موضوع کی ذات وصف موضوع کے ساتھ موصوف ہو۔ مشروطہ عامہ کی مثالوں میں بجائے بالضرورة کے بالدوام لگا دینے سے عرفیہ عامہ کی مثالیں بن جائیں گی۔

۵۔ وقتیہ مطلقہ : ایسا قضیہ ہے جس میں ثبوت محمول کا موضوع کیلئے یا نفی محمول کی موضوع سے ضروری ہو۔ ذات موضوع کے اوقات میں سے کسی معین وقت میں جیسے "**کل قمر منخسف بالضرورة وقت حیلولة الارض بینه و بین الشمس**" ہر چاند گہن والا ہے بالضرورة جس وقت کہ چاند اور سورج کے درمیان حائل ہو۔ اس میں ایک وقت معین میں یعنی چاند اور سورج کے درمیان زمین کے حائل ہونے کے وقت میں چاند کیلئے گرہن ہونا ثابت کیا گیا ہے۔ کیونکہ چاند میں روشنی سورج کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے، جب ان دونوں کے درمیان زمین حائل ہو جائے گی تو چاند یقیناً بے نور ہو جائے گا۔ اسی کو گرہن کہتے ہیں۔ یہ موجبہ کی مثال

ہے۔

اور سالبہ کی مثال یہ ہے "**لا شیء من القمر بمنخسف بالضرورة وقت التربیة**" چاند جس وقت چوتھے برج میں ہوتا ہے اس وقت ضروری ہے کہ اس میں گرہن نہ ہو کیونکہ اس وقت زمین ان دونوں کے درمیان حائل نہیں ہوتی۔

۶۔منتشرہ مطلقہ : ایسا قضیہ ہے جس میں ثبوت محمول کا موضوع کیلئے یا نفی محمول کی موضوع سے ضروری ہو۔ ذات موضوع کے اوقات میں سے کسی غیر معین وقت میں جیسے "**بالضرورة کل حیوان بمتنفس وقتا ما**" ہر حیوان کسی نہ کسی وقت میں سانس لینے والا ہے۔ "**لا شیء من الحیوان بمتنفس وقتاما**" کوئی کسی نہ کسی وقت میں سانس لینے والا نہیں۔

۷۔مطلقہ عامہ : ایسا قضیہ ہے جس میں ثبوت محمول کا موضوع کیلئے یا نفی محمول کی موضوع سے ضروری ہو۔ تین زمانوں میں سے کسی ایک زمانہ میں جیسے "**کل انسان ضاحک بالفعل**" ہر انسان ہنسنے والا ہے بالفعل۔ یعنی تین زمانوں میں سے کسی ایک زمانہ میں اور "**لا شیء من الانساء بضاحک بالفعل**" کسی انسان کیلئے تین زمانوں میں سے کسی ایک زمانہ میں ہنسنا ضروری نہیں۔

۸۔ممکنہ عامہ : ایسا قضیہ ہے جس میں یہ بتایا جائے کہ اس کی مخالف جانب ضروری نہیں۔ یعنی اگر قضیہ موجبہ ہے تو یہ حکم کیا جائے کہ سلب ضروری نہیں اور اگر قضیہ سالبہ ہے تو یہ حکم کیا جائے کہ ایجاب ضروری نہیں۔ جیسے "**کل نار حارة بالامکان العام**" ہر آگ گرم ہے امکان عام کے ساتھ۔ یعنی آگ سے حرارت کا سلب ضروری نہیں۔ اور "**لا شیء من النار ببارد بالامکان العام**" کوئی آگ ٹھنڈی نہیں امکان عام کے ساتھ۔ یعنی آگ کیلئے برودت (یعنی ٹھنڈا ہونا) ضروری نہیں۔

ملحوظہ : مصنفؒ نے بسائط میں سے کل ۶ کا ذکر کیا ہے جس کے مطابق جدول مندرجہ ذیل ہے:

نمبر شمار	قضایا موجہہ	موجبہ وسالبہ	مثالیں

۱	ضروریہ مطلقہ	موجبہ سالبہ	کل انسان حیوان بالضرورۃ لاشی من الانسان بحجر بالضرورۃ
۲	دائمہ مطلقہ	موجبہ سالبہ	کل انسان حیوان بالدوام لاشی من الانسان بحجر بالدوام
۳	مشروطہ عامہ	موجبہ سالبہ	کل کاتب متحرک الاصابع بالضرورۃ مادام کاتبا لاشی من الکاتب بساکن الاصابع بالضرورۃ مادام کاتبا
۴	عرفیہ عامہ	موجبہ سالبہ	دائما کل کاتب متحرک الاصابع بالضرورۃ مادام کاتبا دائما لاشی من الکاتب بساکن الاصابع مادام کاتبا
۵	مطلقہ عامہ	موجبہ سالبہ	کل انسان متنفس بالاطلاق العام لاشی من الانسان بمتنفس بالاطلاق العام
۶	ممکنہ عامہ	موجبہ سالبہ	کل نار حارہ بالامکان العام لاشی من الحار ببارد بالامکان العام

مرکبات کا بیان

قضیہ موجہہ بسیطہ میں اگر لاضرورۃ ذاتی یا لادوام ذاتی کی قید لگادی جاتی ہے تو قضیہ موجہہ مرکبہ بن جاتا ہے۔

لاضرورۃ ذاتی کا مطلب یہ ہے کہ اس سے پہلے والے قضیہ میں جو نسبت ذکر کی گئی ہے وہ موضوع کی ذات کے اعتبار سے ضروری نہیں۔ اسی طرح لادوام ذاتی کا مطلب یہ ہے کہ پہلے والے قضیہ میں جو نسبت ذکر کی گئی ہے وہ موضوع کی ذات کے اعتبار سے دائمی نہیں۔

لاضرورۃ کے بعد قضیہ ممکنہ عامہ نکالا جاتا ہے اور لادوام کے بعد قضیہ مطلقہ عامہ نکالا جاتا ہے۔ اس وجہ سے مرکبہ میں دو قضیے حاصل ہوجاتیہیں۔ ایک قضیہ بسیطہ جو صراحۃً مذکور ہوتا ہے اور ایک قضیہ لاضرورۃ یا لادوام کے بعد ہوگا۔

یہ بات اچھی طرح یاد رکھنی چاہئے کہ جو قضیہ صراحت کے ساتھ مذکور ہے یعنی قضیہ مرکبہ کا

پہلا جزو اگر وہ موجبہ ہو اور اس کو لاضرورۃ کے ساتھ مقید کیا گیا ہے تو لاضرورۃ کے بعد ممکنہ عامہ سالبہ نکالا جائے گا۔ اور اگر اس کو لادوام کے ساتھ مقید کیا گیا ہے تو لادوام کے بعد مطلقہ عامہ سالبہ نکالا جائے گا۔ اور اگر مرکبہ کا پہلا جزو جو صراحۃً مذکور ہے وہ سالبہ ہے تو لاضرورۃ اور لادوام کے بعد جو قضیہ نکالا جائے گا وہ موجبہ ہوگا۔ البتہ کلیہ اور جزئیہ ہونے میں کوئی اختلاف نہ ہوگا پہلا قضیہ اگر کلیہ ہو تو لاضرورۃ اور لادوام کے بعد جو قضیہ نکالا جائے گا وہ بھی کلیہ ہوگا۔ اور پہلا قضیہ جزئیہ ہو تو ان دونوں کے بعد بھی قضیہ جزئیہ نکالا جائے گا۔

آئندہ مثالوں میں انشاء اللہ اس کی وضاحت ہو جائے گی۔

مرکبات سات ہیں :۱۔مشروطہ خاصہ ۲۔عرفیہ خاصہ ۳۔وقتیہ ۴۔منتشرہ ۵۔وجودیہ لاضروریہ ۶۔وجودیہ لادائمہ ۷۔ممکنہ خاصہ

۱۔مشروطہ خاصہ : یہ ایسا مشروطہ عامہ ہے جو لادوام ذاتی کے ساتھ مقید ہو۔ اس کی ترکیب مشروطہ عامہ اور مطلقہ عامہ سے ہوتی ہے۔ جیسے **"بالضرورۃ کل کاتب متحرک الاصابع مادام کاتباً لادائماً أی لاشیء من الکاتب بمتحرک الاصابع بالفعل"** ہر کاتب انگلیاں ہلانے والا ہے جب تک وہ کاتب ہے لیکن ہمیشہ نہیں۔ یعنی کوئی کاتب تین زمانوں میں سے کسی نہ کسی زمانے میں انگلیاں ہلانے والا نہیں۔

سالبہ کی مثال جیسے **"لاشیء من الکاتب بساکن الاصابع مادام کاتبا لادائما أی کل کاتب ساکن الاصابع بالفعل"** کوئی کاتب جب تک کاتب ہے ایسا نہیں ہے کہ اس کی انگلیاں ساکن رہیں۔ لیکن یہ ہمیشہ نہیں۔ یعنی ہر کاتب ایسا ہے کہ تین زمانوں میں سے کسی نہ کسی زمانے میں اس کی انگلیاں ساکن رہتی ہیں۔

۲۔عرفیہ خاصہ : یہ ایسا عرفیہ عامہ ہے جو لادوام ذاتی کے ساتھ مقید ہو۔ اس کی ترکیب عرفیہ عامہ اور مطلقہ عامہ سے ہوتی ہے۔ اس کی مثال بھی وہی ہے جو مشروطہ خاصہ میں بیان کی گئی ہے۔ البتہ شروع میں بجائے بالضرورۃ کے بالدوام لگایا جائے گا۔

۳۔ وقتیہ : یہ ایسا وقتیہ مطلقہ ہے جو لا دوام ذاتی کے ساتھ مقید ہو۔ اس کی ترکیب وقتیہ مطلقہ اور مطلقہ عامہ سے ہوتی ہے۔ جیسے "**کل قمر منخسف وقت حیلولة الارض بینه وبین الشمس لا دائما أی شیء من القمر منخسف بالفعل**" ہر چاند گہن والا ہے جس وقت کہ زمین اس کے اور سورج کے درمیان حائل ہو جائے، لیکن یہ ہمیشہ نہ ہوگا۔ یعنی کوئی چاند تین زمانوں میں سے کسی نہ کسی زمانہ میں گہن والا نہیں۔

سالبہ کی مثال جیسے "**لا شیء من القمر بمنخسف وقت التربیع لا دائماً أی کل قمر منخسف بالفعل**" کوئی چاند تربیع کے وقت گہن والا نہیں لیکن یہ ہمیشہ نہیں ہے۔ یعنی تین زمانوں میں سے کسی نہ کسی زمانے میں ہر چاند گہن والا ہوتا ہے۔ تربیع کا مطلب یہ ہے کہ سورج چوتھے برج میں ہو۔

۴۔ منتشرہ : یہ ایسا منتشرہ مطلقہ ہے جو لا دوام ذاتی کے ساتھ مقید ہو اس کی ترکیب منتشرہ مطلقہ اور مطلقہ عامہ سے ہوتی ہے۔ جیسے "**کل انسان متنفس فی وقت ما لا دائما أی لا شیء من الانسان بمتنفس بالفعل**" ہر انسان کسی نہ کسی وقت میں سانس لینے والا ہے لیکن ہمیشہ نہیں۔ یعنی کوئی انسان تین زمانوں میں سے کسی نہ کسی زمانے میں سانس لینے والا نہیں۔

سالبہ کی "**مثال لا شیء من الانسان بمتنفس فی وقت ما لا دائما أی کل انسان متنفس بالفعل**" کوئی انسان کسی نہ کسی وقت میں سانس لینے والا نہیں، لیکن یہ حکم ہمیشہ نہیں۔ یعنی ہر انسان تین زمانوں میں سے کسی نہ کسی زمانہ میں سانس لینے والا ہے۔

۵۔ وجودیہ لا ضروریہ : یہ ایسا مطلقہ عامہ ہے جو لا ضرورة ذاتی کے ساتھ مقید ہو۔ اس کی ترکیب مطلقہ عامہ اور ممکنہ عامہ سے ہوتی ہے۔ جیسے "**کل انسان ضاحک بالفعل لا بالضرورة أی لا شیء من الانسان بضاحک بالامکان العام**" ہر انسان تین زمانوں میں سے کسی ایک زمانہ میں ہنسنے والا ہے، لیکن یہ ضروری نہیں۔ یعنی انسان کا ضاحک نہ ہونا ممکن

ہے۔

سالبہ کی مثال جیسے "**لاشیء من الانسان بضاحک بالفعل بالضرورة أی کل انسان ضاحک بالامکان العام**" کوئی انسان تین زمانوں میں سے کسی نہ کسی زمانہ میں ہنسنے والانہیں۔لیکن یہ حکم ضروری نہیں ہے۔یعنی ہر انسان کا ضاحک ہونا ممکن ہے۔

۶۔وجودیہ لادائمہ : یہ ایسا مطلقہ عامہ ہے جو لادوام ذاتی کے ساتھ مقید ہو۔اس کی ترکیب دومطلقہ عامہ کے ساتھ ہوتی ہے۔اس کی مثال بھی وہی ہے جو وجودیہ لاضروریہ کی ہے، فرق یہ ہے کہ اس میں بجائے لابالضرورة کے لادوام کی قید لگائی جائے گی۔

۷۔ممکنہ خاصہ : یہ ایسا قضیہ ہے جس میں وجود اور عدم دونوں جانب سے ضرورت کی نفی کی جائے،یعنی نہ ایجاب ضروری ہو اور نہ سلب۔اس کی ترکیب دوممکنہ عامہ سے ہوتی ہے۔ جیسے "**کل انسان کاتب بالإمکان الخاص**" ہر انسان کاتب ہے امکان خاص کے ساتھ۔یعنی انسان کے لئے نہ تو کتابت کا ثبوت ضروری ہے اور نہ کتابت کا عدم۔

سالبہ کی مثال جیسے "**لاشیء من الانسان بکاتب بالإمکان الخاص**" کوئی انسان کاتب نہیں امکانِ خاص کے ساتھ۔یعنی انسان کیلئے کتابت کا ثبوت اور سلب دونوں ضروری نہیں

ملحوظہ : مصنفؒ کی ترتیب کے مطابق مرکبات کا جدول مندرجہ ذیل ہے:

نمبر شمار	قضایاموجہہ مرکبہ	موجبہ وسالبہ	مثالیں
۱	مشروطہ خاصہ	موجبہ سالبہ	بالضرورة کل کاتب متحرک الاصابع مادام کاتبالادائما بالضرورة لاشی من الکاتب بمتحرک الاصابع مادام کاتبالادائما
۲	عرفیہ خاصہ	موجبہ سالبہ	بالدوام کل کاتب متحرک الاصابع مادام کاتبالادائما بالدوام لاشی من الکاتب بساکن الاصابع مادام کاتبالادائما
۳	وجودیہ لاضروریہ	موجبہ سالبہ	کل انسان ضاحک بالفعل لابالضرورة لاشی من الانسان بضاحک بالفعل لابالضرورة

۴	وجودیہ لادائمہ	موجبہ سالبہ	کل انسان ضاحک بالفعل لادائما لاشی من الانسان بضاحک بالفعل لادائما
۵	وقتیہ	موجبہ سالبہ	بالضرورۃ کل قمر منخسف وقت حیلولۃ الارض بینہ وبین الشمس بالضرورۃ لاشی من القمر بمنخسف وقت التربیع لادائما
۶	منتشرہ	موجبہ سالبہ	بالضرورۃ کل انسان متنفس فی وقت ما لادائما بالضرورۃ لاشی من الانسان بمتنفس فی وقت ما لادائما
۷	ممکنہ خاصہ	موجبہ سالبہ	کل انسان کاتب بالامکان الخاص لاشی من الانسان بکاتب بالامکان الخاص

شرطیہ کی مفصل اقسام

الفصل الثانی :فی اقسام الشرطیات :الجزء الأول منها : یسمی مقدما، والثانی :تالیا، وھی إما متصلة أو منفصلة۔ أما المتصلة :فإما لزومیة وھی التی یکون فیھا صدق التالی علی تقدیر صدق المقدم لعلاقة بینھما توجب ذلک، کالعلیة، والتضایف۔ وإما اتفاقیة وھی التی یکون فیھا ذلک بمجرد توافق الجزئین علی الصدق، کقولنا :إن کان الانسان ناطقا، فالحمار ناھق۔ وأما المنفصلة :فإما حقیقیة وھی : التی یحکم فیھا بالتنافی بین جزءیھا فی الصدق والکذب معاً، کقولنا :إما أن یکون ھذا العدد زوجا أو فردا، وإما مانعة الجمع وھی التی یحکم فیھا بالتنافی بین الجزئین فی الصدق فقط، کقولنا :إما أن یکون ھذا الشیء حجرا أو شجرا۔ وإما مانعة الخلو، وھی التی یحکم فیھا بالتنافی بین الجزئین فی الکذب فقط، کقولنا :إما أن یکون زید فی

البحر، أو لا يغرق۔

یعنی ''فصل ثانی قضیہ شرطیہ کے اقسام کے بیان میں ہے۔ قضیہ شرطیہ کے پہلے حصے کا نام مقدم ہوتا ہے اور دوسرے حصے کا نام تالی ہوتا ہے۔ قضیہ شرطیہ یا متصلہ ہوگا یا منفصلہ۔ قضیہ شرطیہ متصلہ یا لزومیہ ہوگا اور یہ لزومیہ وہ ہے جس میں تالی کا صدق مقدم کے صدق کی تقدیر پر ہو۔ ایک ایسے علاقہ یعنی تعلق کی وجہ سے جو اس کو ثابت کر رہا ہو۔ جیسے علیت اور تضایف۔ یا قضیہ شرطیہ متصلہ اتفاقیہ ہوگا اور یہ اتفاقیہ وہ ہے جس میں یہ بات (تالی کا صدق مقدم کے صدق کی تقدیر پر) محض دونوں حصوں کے صدق پر اتفاق ہونے کی وجہ سے ہو جیسے **''ان کان الانسان ناطقا فالحمار ناھق''**۔ یا قضیہ شرطیہ منفصلہ ہوگا اور وہ یا حقیقیہ ہے اور یہ حقیقیہ وہ ہے جس میں اس کے دونوں حصوں کے درمیان بیک وقت صدق اور کذب کے اعتبار سے منافات کا حکم ہو جیسے **''اما ان یکون ھذا العدد زوجا او فردا''**۔ یا منفصلہ مانعۃ الجمع ہوگا اور یہ مانعۃ الجمع وہ ہے جس میں دونوں حصوں کے درمیان صرف صدق کے اعتبار سے منافات کا حکم ہو جیسے **''اما ان یکون ھذا الشیء حجراً او شجراً''**۔ اور یا منفصلہ مانعۃ الخلو ہوگا اور یہ مانعۃ الخلو وہ ہے جس میں اس کے دونوں حصوں کے درمیان صرف کذب کے اعتبار سے منافات کا حکم ہو جیسے **''اما ان یکون زید فی البحر او لا یغرق''**۔

شرح:

قضیہ شرطیہ کی تعریف:

ایسا قضیہ جو دو قضایا سے مل کر بنے۔ اس کے پہلے جزء کو مقدم اور دوسرے جزء کو تالی کہتے

ہیں۔

قضیہ شرطیہ کی دو قسمیں ہوتی ہیں : متصلہ، منفصلہ

شرطیہ متصلہ کی تعریف:

ایسا قضیہ ہے جس میں ایک قضیہ کو مان لینے کے بعد دوسرے قضیہ کے ثبوت یا نفی کا حکم ہو۔ اگر ثبوت کا حکم ہوگا تو متصلہ موجبہ ہوگا اور نفی کا حکم ہوگا تو متصلہ سالبہ ہوگا۔

شرطیہ متصلہ کی دو قسمیں ہوتی ہیں :

ا۔لزومیہ : وہ قضیہ شرطیہ ہے جس میں مقدم اور تالی کے درمیان اتصال کسی علاقے کی وجہ سے ہو۔

یہ علاقہ یا علیت کا ہوگا یا تضایف کا۔ علاقہ علیت کی تین صورتیں بنتی ہیں :

اول : مقدم، تالی کیلئے علت بن رہا ہو جیسے "**ان کانت الشمس طالعة فالنهار موجود**" اس میں سورج کا نکلنا علت ہے دن کے موجود ہونے کیلئے۔

دوم : تالی اپنے مقدم کیلئے علت بن رہا ہو جیسے "**ان کان النهار موجوداً فالشمس طالعة**" اس میں تالی یعنی سورج کا طلوع ہونا مقدم یعنی دن کے موجود ہونے کیلئے علت بن رہا ہے۔

سوم : مقدم اور تالی دونوں معلول ہوں اور ان کی علت کوئی تیسری چیز ہو جیسے "**ان کان النهار موجوداً فالعالم مضیئی**" اس میں دن کا موجود ہونا مقدم ہے اور عالم کا روشن ہونا تالی ہے اور دونوں کی علت ایک تیسری چیز یعنی سورج کا طلوع ہونا ہے۔

علاقہ تضایف کا مطلب یہ ہے کہ مقدم اور تالی دونوں میں سے ہر ایک دوسرے پر موقوف ہو جیسے "**ان کان زید اباً لعمر، کان عمرو ابنه**" اس میں زید کا باپ ہونا اس پر موقوف ہے کہ عمرو زید کا بیٹا ہو اور عمرو کا زید کا بیٹا ہونا اس پر موقوف ہے کہ زید عمرو کا باپ ہے۔

۲۔اتفاقیہ : (یہ شرطیہ متصلہ کی دوسری قسم ہے) وہ قضیہ شرطیہ ہے جس میں مقدم اور

تالی کے درمیان اتصال کسی علاقے کی وجہ سے نہ ہو بلکہ دونوں اتفاقیہ طور پر جمع ہو گئے ہوں جیسے "**ان کان الانسان ناطقاً فالحمار ناھق**" اب اس میں انسان کے ناطق ہونے اور گدھے کے ناہق ہونے کے درمیان کوئی تعلق نہیں محض اتفاقی بات ہے۔

قضیہ شرطیہ کی دوسری قسم ہے شرطیہ منفصلہ

شرطیہ منفصلہ کی تعریف:

وہ قضیہ شرطیہ ہے جس میں مقدم اور تالی کے درمیان انفصال یعنی جدائی کا حکم لگایا گیا ہو۔

منفصلہ کی تین قسمیں ہیں:

ا۔منفصلہ حقیقیہ : وہ قضیہ منفصلہ ہے جس کے مقدم اور تالی میں انفصال صدق اور کذب دنوں کے اعتبار سے ہو یعنی نہ تو دونوں ایک ساتھ جمع ہو سکتے ہوں اور نہ دونوں ایک ساتھ ختم ہو سکتے ہوں۔ بلکہ ایسا ہو کہ اگر مقدم پایا جائے تو تالی نہ ہو اور تالی ہو تو مقدم نہ ہو جیسے "**العدد اما زوج واما فرد**" پس نہ تو یہ ہو سکتا ہے کہ کوئی عدد جفت اور طاق دونوں ہو اور نہ یہ ہو سکتا ہے کہ کوئی عدد جفت اور طاق میں سے کوئی ایک بھی نہ ہو۔ بلکہ ان دونوں میں سے کوئی ایک ضرور ہے۔

۲۔منفصلہ مانعۃ الجمع : وہ قضیہ منفصلہ ہے جس میں مقدم اور تالی کے درمیان انفصال صرف صدق میں ہو یعنی مقدم اور تالی ایک ساتھ جمع نہ ہو سکتے ہوں بے شک دونوں ایک ساتھ ختم ہو سکتے ہوں جیسے "**ھذاالشیء إما شجر او حجر**"۔ پس یہ دونوں جمع نہیں ہو سکتے کہ کوئی چیز درخت اور پتھر دونوں ہو جائے۔ ہاں یہ ضرور ہو سکتا ہے کہ کوئی چیز نہ درخت ہو اور نہ پتھر بلکہ کوئی اور چیز ہو۔

۳۔منفصلہ مانعۃ الخلو : وہ قضیہ منفصلہ ہے جس میں مقدم اور تالی کے درمیان انفصال صرف کذب میں ہو یعنی دونوں ایک ساتھ ختم نہ ہو سکتے ہوں بے شک دونوں ایک ساتھ جمع ہو جائیں جیسے "**زید إما فی البحر او لا یغرق**" پس یہ دونوں ختم نہیں ہو سکتے کہ زید دریا میں نہ

ہو اور ڈوب جائے۔ البتہ دونوں جمع ہوسکتے ہیں کہ زید دریا میں ہو اور ڈوبے نہیں بلکہ تیرتا رہے۔

عنادیہ، اتفاقیہ

وكل واحد من هذه الثلاثة إما عنادية، وهى التى يكون التنافى فيها لذات الجزئين، كما فى الأمثلة المذكورة۔ وإما اتفاقية وهى التى يكون التنافى فيها بمجرد الاتفاق، كقولنا للأسود اللاكاتب :إما أن يكون هذا أسود أو كاتبا۔ حقيقيا، أو لا أسود أو كاتباً مانعة الجمع أو أسود أو لا كاتباً مانعة الخلو۔

یعنی ”اور ان تینوں میں سے ہر ایک یا تو عنادیہ ہے۔ عنادیہ وہ ہے جس میں دونوں حصوں کی ذات کی وجہ سے منافات ہو۔ جیسے گذشتہ مثالوں میں ذکر ہو چکا ہے۔ اور یا اتفاقیہ ہے۔ اتفاقیہ وہ ہے جس میں تنافی صرف اتفاق کی وجہ سے ہے۔ جیسے کسی ”اسود لا کاتب“ کے بارے میں ہم کہیں ”**إما أن يكون هذا أسود أو كاتباً**“ یہ حقیقیہ میں ہے۔ مانعۃ الجمع میں ”**لا اسود او كاتبا**“ اور مانعۃ الخلو میں ”**اسود او لا كاتبا**“۔

شرح:

گذشتہ عبارت میں شرطیہ منفصلہ کی جو تین قسمیں بیان کی گئیں اب ان میں سے ہر ایک کی دو دو قسمیں بیان کرتے ہیں : عنادیہ، اتفاقیہ۔

منفصلہ عنادیہ : وہ قضیہ منفصلہ ہے جس میں مقدم اور تالی کے درمیان تنافی یعنی جدائی ان

دونوں کی ذات کی وجہ سے ہوتی ہے۔ ان دونوں کی ذات اس بات کا تقاضہ کرے کہ دونوں ایک دوسرے سے جدا ہوں۔ جیسے "**العدد اما زوج او فرد**" اس میں زوج مقدم ہے اور فرد تالی ہے۔ اوران دونوں کی ذات ایک دوسرے سے جدائی کا تقاضہ کرتی ہے۔

منفصلہ اتفاقیہ : وہ قضیہ منفصلہ ہے جس میں مقدم اور تالی کے درمیان تنافی یعنی جدائی ان کی ذات کی وجہ سے نہ ہو بلکہ اتفاق کی بات ہے کہ دونوں میں جدائی ہوگئی ہو۔ جیسے ایک شخص کالا ہے اور کاتب نہیں ہے تو اس کیلئے کہا جائے "**اما ان یکون ھذا اسود او کاتب**" اس مثال میں کاتب اور اسود ہونے میں جدائی تو بیان کی گئی ہے لیکن یہ جدائی کاتب اور اسود کی ذات کی وجہ سے نہیں بلکہ محض اتفاقیہ ہے۔

سوالب کا بیان

وسالبة كل واحدة من هذه القضايا الثماني هي التي يرفع فيها ما حكم به في موجباتها :فسالبة اللزوم تسمى سالبة لزومية وسالبة العناد تسمى سالبة عنادية، وسالبة اتفاق تسمى سالبة اتفاقية۔

یعنی "ان آٹھ قضایا میں سے ہر ایک کا سالبہ وہ ہوگا جس میں اس چیز کا رفع کیا جائے جس کا اس کے موجبہ میں حکم لگایا گیا ہے۔ لزوم کے سالبہ کو سالبہ لزومیہ اور عناد کے سالبہ کو سالبہ عنادیہ اور اتفاق کے سالبہ کو سالبہ اتفاقیہ کہتے ہیں۔"

شرح:

قضیہ شرطیہ کی بحث میں ابھی تک جو تقسیم ہوئی اس کے مطابق کل آٹھ قسمیں بنتی ہیں :

۱۔ متصلہ لزومیہ ۲۔ متصلہ اتفاقیہ ۳۔ منفصلہ حقیقیہ عنادیہ ۴۔ مانعۃ الجمع عنادیہ

۵۔مانعۃ الخلو عنادیہ ۶۔اتفاقیہ حقیقیہ ۷۔اتفاقیہ مانعۃ الجمع ۸۔اتفاقیہ مانعۃ الخلو۔

گذشتہ عبارات میں ان اقسام کی جو تعریفات گزری ہیں وہ صرف ان کے موجبات پر صادق آتی ہیں۔اب مندرجہ بالا عبارت سے مصنفؒ ان کی سوالب کا معنی بیان کرتے ہیں کہ ان آٹھ قضایا میں سے ہر ایک کا سالبہ وہ ہوگا جس میں اس چیز کے رفع کا حکم لگایا جائے کہ جس کا موجبہ میں ہونے کا حکم لگایا گیا ہے۔

متصلہ لزومیہ میں لزوم صدق تالی برائے مقدم کا حکم لگایا جاتا ہے، تو اس کا سالبہ وہ ہوگا جس میں اس لزوم کا رفع ہو۔ جیسے "**لیس إن کان الکائن حساس کان نباتا**"۔اس مثال میں مقدم یعنی "**الکائن حساس**" اور تالی "**کان نباتا**" کے درمیان جو لزوم ہے اس کو لیس کے ذریعے رفع کردیا ہے۔

متصلہ اتفاقیہ میں موافقت صدق تالی برائے مقدم کا حکم ہوتا ہے، تو اس کے سالبہ میں اس کے موافقت کا رفع ہوگا۔ جیسے "**لیس إن کان الحیوان ذا أذن فھو یبیض**" اس مثال میں تالی کے مقدم کیلئے موافقت کا سلب کیا گیا ہے۔

منفصلات میں بھی یہی صورتحال ہوگی، پس سالبہ عنادیہ وہ ہوگا جس میں اس عناد کا رفع ہو جس کا موجبہ میں حکم لگایا گیا ہے۔ جب یہ عناد کا رفع صدق اور کذب دونوں میں ہوگا تو یہ سالبہ عنادیہ حقیقیہ ہوگا۔اور اگر یہ نفی صرف صدق میں ہو تو مانعۃ الجمع سالبہ ہوگا۔اور اگر نفی صرف کذب میں ہو تو مانعۃ الخلو سالبہ ہوگا۔

فائدہ : ان قضایا کے سالبہ ہونے کیلئے یہ شرط ہے کہ حرف سلب حرف شرط پر مقدم ہو، تب ہی وہ سلب کا فائدہ دے گا۔اگر حرف سلب حرف شرط سے مؤخر ہو گیا اور تالی کے ساتھ مل گیا تو یہ سلب کا فائدہ نہیں دے گا بلکہ قضیہ موجبہ شمار ہوگا۔ چنانچہ "**لیس إن کانت الشمس طالعۃ فاللیل موجود**" یہ سالبہ ہے اور "**إن کانت الشمس طالعۃ فلیس اللیل موجودا**" قضیہ موجبہ ہے۔

متصلہ کا صدق وکذب

والمتصلة الموجبة تصدق عن صادقين، وعن كاذبين وعن مجهولى الصدق والكذب، وعن مقدم كاذب، وتال صادق۔ دون عكسه، لامتناع استلزام الصادق الكاذب، وتكذب :عن جزئين كاذبين، وعن مقدم كاذب وتال صادق، وبالعكس۔ وعن صادقين۔ هذا اذا كانت لزومية۔ وأما إذا كانت اتفاقية، فكذبها عن صادقين محال۔

یعنی ”اور متصلہ موجبہ دو صادق اور دو کاذب سے، ان دو سے جن کا صدق اور کذب معلوم نہ ہو۔ اور مقدم کاذب اور تالی صادق سے صادق ہوگا۔ اس کا عکس نہیں ہوگا۔ کیونکہ صادق کا کاذب کو مستلزم ہونا ناممکن ہے۔ اور یہ (متصلہ موجبہ) دو کاذب سے اور مقدم کاذب اور تالی صادق سے کاذب ہوگا اور اس کے برعکس بھی اور دونوں صادق سے بھی کاذب ہوگا۔ یہ تب ہے جب وہ لزومیہ ہوا گر یہ اتفاقیہ ہوا تو اس کا دو صادق سے کاذب ہونا محال ہے۔“

شرح:

مندرجہ بالا عبارت کا اصل مقصد بعض مناطقہ کے نظریے پر رد کرنا ہے، جن کا کہنا یہ تھا کہ قضیہ شرطیہ کے صدق اور کذب کا دارومدار اس بات پر ہے کہ اس کے دونوں طرف اگر صادق ہوں تو قضیہ صادق ہوگا اور اگر اس کے دونوں طرف کاذب ہوں تو قضیہ کاذب ہوگا۔ یعنی قضیہ شرطیہ کے صدق اور کذب میں حکم کے واقع کے مطابق ہونے یا نہ ہونے کا کوئی دخل نہیں۔ مصنفؒ بتاتے ہیں کہ یہ نظریہ درست نہیں، صحیح بات یہی ہے کہ صدق اور کذب کا دارمدار حکم کے

واقع کے مطابق ہونے یا نہ ہونے پر ہے۔

مندرجہ بالا عبارت میں متصلہ لزومیہ موجبہ کے صدق کی چار صورتیں اور کذب کی چار صورتیں بیان کی گئی ہیں، اسی طرح متصلہ اتفاقیہ کے صدق وکذب کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے۔آئیں اسی ترتیب سے اس اجمال کی تفصیل دیکھتے ہیں:

قضیہ شرطیہ متصلہ لزومیہ موجبہ کے صدق کی چار صورتیں یہ ہیں:

۱۔ اس کے دونوں حصے یعنی مقدم اور تالی صادق ہوں۔ جیسے "**إن كان زيد انساناً فهو حيوان**"

۲۔اس کے دونوں حصے یعنی مقدم اور تالی کاذب ہوں جیسے "**ان كان زيد حجرا فهو جماد**" یہ قضیہ بھی صادقہ ہے کیونکہ جب ہم نے نفس الامر میں زید کو حجر تسلیم کرلیا تو وہ جماد بھی ہوگا۔

۳۔اس کے دونوں حصے صدق اور کذب کے اعتبار سے نامعلوم ہوں جیسے "**ان كان زيد يكتب فهو يحرك يده**" اب زید حقیقت میں کاتب اور متحرک الید ہے یا نہیں۔ یہ مجہول ہے۔

۴۔ پہلا حصہ یعنی مقدم کاذب ہو اور دوسرا حصہ یعنی تالی صادق ہو جیسے "**ان كان زيد حمارا كان حيوانا**"

اس چوتھی صورت کا عکس یعنی مقدم صادق ہو اور تالی کاذب ہو یہ ناممکن ہے کیونکہ اس صورت میں لازم آئے گا کہ صادق (مقدم) کاذب (تالی) کو مستلزم ہو اور یہ چیز محال ہے۔

اسی قضیے یعنی شرطیہ متصلہ لزومیہ موجبہ کے کذب کی بھی چار صورتیں ہیں:

۱۔اس کے دونوں حصے یعنی مقدم اور تالی کاذب ہوں۔ جیسے "**ان كان الخلاء موجودا كان العالم قديما**" کیونکہ خلاء کہیں بھی موجود نہیں کم از کم ہوا تو ضرور ہوگی۔ اسی طرح عالم حادث ہے قدیم نہیں ہے۔

۲۔ اس کا پہلا حصہ مقدم کاذب اور دوسرا تالی صادق ہو۔ جیسے "**ان كان الخلاء**

موجودافالإنسان ناطق"

۳۔ پہلا حصہ مقدم صادق اور دوسرا حصہ تالی کاذب ہو۔ جیسے "ان كان الانسان ناطقا فالخلاء موجود"

۴۔ پہلا حصہ مقدم اور دوسرا حصہ تالی دونوں صادق ہوں۔ جیسے "ان كانت الشمس طالعة فزيد انسان"۔ یہ قضیہ اس لیے کاذبہ ہے کیونکہ زید کا انسان ہونا طلوع شمس پر موقوف نہیں۔

قضیہ شرطیہ متصلہ اتفاقیہ کی کل چار صورتیں ہیں:

ا۔ اس کے دونوں حصے یعنی مقدم اور تالی صادق ہوں۔ جیسے "ان كان الانسان فالحمار ناهق"۔ صرف اسی ایک صورت میں یہ قضیہ صادق ہوتا ہے۔ اگلی تین صورتوں میں یہ قضیہ کاذب ہوگا۔

۲۔ جب پہلا حصہ مقدم اور دوسرا حصہ تالی دونوں کاذب ہوں۔

۳۔ جب پہلا حصہ مقدم صادق اور دوسرا حصہ تالی ہو۔

۴۔ پہلا حصہ مقدم کاذب ہو اور دوسرا حصہ تالی صادق ہو۔

منفصلہ کا صدق و کذب

والمنفصلة الموجبة الحقيقية، تصدق عن صادق وكاذب، وتكذب عن صادقين وكاذبين۔ ومانعة الجمع تصدق عن : كاذبين، وعن صادق وكاذب، وتكذب عن صادقين۔ ومانعة الخلو تصدق عن : صادقين وعن صادق وكاذب، وتكذب عن كاذبين۔ والسالبة تصدق عما تكذب عنه الموجبة، وتكذب عما تصدق عنه الموجبة۔

یعنی "منفصلہ موجبہ حقیقیہ ایک صادق اور ایک کاذب سے صادق ہوتا ہے اور کاذب ہوتا ہے دو صادق اور دو کاذب سے۔ اور مانعۃ الجمع صادق

ہوتا ہے دو کاذب سے اور ایک صادق اور ایک کاذب سے۔ اور کاذب
ہوتا ہے دو صادق سے۔ اب مانعۃ الخلو صادق ہوتا ہے دو صادق سے اور
ایک صادق اور کاذب سے۔ اور کاذب ہوتا ہے دو کاذب سے۔ اور ان
کا سالبہ اس سے صادق ہوتا ہے جس سے ان کا موجبہ کاذب ہو۔ اور اس
سے کاذب ہوتا ہے جس سے موجبہ صادق ہو۔''

شرح:

اس عبارت میں مصنفؒ نے قضیہ شرطیہ کی دوسری قسم منفصلہ کی تینوں اقسام کے صدق اور کذب کی صورتیں بیان کی ہیں۔

منفصلہ حقیقیہ موجبہ کی کل تین صورتیں ہیں:

۱۔ اگر یہ ایک صادق اور ایک کاذب سے مرکب ہوں تو یہ صادق ہوگا۔ جیسے ''**ھذا العدد إما زوج أو فرد**''۔ صرف یہی ایک صورت اس کے صدق کی ہے۔

۲۔ اگر حقیقیہ کے دونوں طرف صادق ہوں یعنی بیک وقت جمع ہو جائیں تو یہ منفصلہ حقیقیہ موجبہ کاذب ہوگا۔ جیسے ''**ھذا العدد إما أربع أو منقسم بمتساویین**''

۳۔ اگر اس قضیہ کے دونوں طرف مرتفع ہو جائیں یعنی صادق نہ آئیں تو اس وقت بھی یہ کاذب ہوگا۔ جیسے ''**الثالث إما زوج أو منقسم بمتساویین**''

منفصلہ مانعۃ الجمع موجبہ کی کل تین صورتیں ہیں:

۱۔ اس کے دونوں طرف کاذب ہوں یعنی ایک چیز سے دونوں کا ارتفاع ہو جائے۔ اس صورت میں قضیہ صادق ہوگا۔ جیسے ''**زید إما شجر أو حجر**''

۲۔ اس کی ایک طرف صادق ہو اور ایک کاذب، اس صورت میں بھی یہ قضیہ صادق ہوگا۔ جیسے ''**زید إما انسان أو حجر**''

۳۔ اگر یہ قضیہ دو ایسے حصوں سے مرکب ہو جو بیک وقت جمع ہو رہے ہوں تو اس وقت یہ

کاذب ہوگا۔ جیسے "زید إما انسان أو ناطق" یہ کاذب ہے کیونکہ زید بیک وقت انسان بھی ہے اور ناطق بھی۔

منفصلہ مانعۃ الخلو موجبہ کی کل تین صورتیں ہیں:

ا۔ اس کے دونوں حصے صادق ہوں یعنی جمع ہوجائیں۔ جیسے "إما ان یکون الانسان غیر طائر أو غیر جماد"

۲۔ یا ایک صادق ہو اور ایک کاذب ہو جیسے "زید إما ناطق أو صاھل" ان دونوں صورتوں میں یہ قضیہ صادق ہوتا ہے۔

۳۔ اس کے دونوں جز کاذب ہوں۔ جیسے "إما ان یکون الغراب ابیض أو احمر" اس صورت میں یہ قضیہ کاذب ہوگا۔

شرطیہ کا کلی، جزئی ہونا

وكلية الشرطية الموجبة :أن يكون التالى لازما، أو معاندا للمقدم على جميع الأوضاع التى يمكن حصوله عليها۔ وهى الأوضاع التى تحصل له بسبب اقتران الأمور التى يمكن اجتماعها معه۔ والجزئية أن يكون كذلك على بعض هذه الأوضاع۔ المخصوصة أن يكون كذلك على وضع معين۔ وسور الموجبة الكلية فى المتصلة (كلما) و(مهما) و(متى)۔ وفى المنفصلة (دائماً)۔ وسور السالبة الكلية فيهما (ليس البتة) وسور الموجبة الجزئية فيها (قد يكون) وسور السالبة الجزئية فيهما؟ (قد لايكون)، وبإدخال حرف السلب على سور الإيجاب الكلى، والمهملة بإطلاق لفظ (لو) و(إن)، و(إذا) فى المتصلة، (وإما) و(أو) فى المنفصلة۔

یعنی ''شرطیہ موجبہ کا کلی ہونا یہ ہے کہ تالی مقدم کیلئے لازم یا معاند ہو تو ان تمام اوضاع میں جس میں اس کا حصول ممکن ہو۔ اور یہ وہ اوضاع ہیں جو مقدم کو ان امور کے ساتھ ملنے کی وجہ سے حاصل ہوتے ہیں جن کے ساتھ اس کا جمع ہونا ممکن ہو۔ شرطیہ کا جزئی ہونا یہ ہے کہ یہ حکم اسی طرح بعض اوضاع پر ہو۔ اور مخصوصہ یہ ہے کہ یہ حکم اسی طرح وضع معین پر ہو۔ اور موجبہ کا سور متصلہ میں ''کلما'' اور ''مہما'' اور ''متیٰ'' ہیں۔ اور منفصلہ میں ''دائما'' ہے۔ اور سالبہ کلیہ کا سور ان دونوں میں ''لیس البتۃ'' ہے۔ اور موجبہ جزئیہ کا سور ان میں ''قد یکون'' ہے۔ اور سالبہ جزئیہ کا سور ان دونوں میں ''قد لا یکون'' ہے، اور ایجاب کلی کے سور پر حرف سلب داخل کرنے سے یہ سور حاصل ہوتا ہے۔ اور مہملہ کا سور لفظ ''لَو'' اور ''اِن'' اور ''اذا'' کو متصلہ میں مطلق رکھنا ہے۔ اور منفصلہ میں اس کا سور ''اِما'' اور ''اَو'' ہے۔''

شرح:

مصنفؒ اس عبارت میں پہلے یہ بتا رہے ہیں کہ قضیہ شرطیہ کے کلی یا جزئی ہونے کا دار و مدار مقدم اور تالی کے کلی یا جزئی ہونے پر نہیں ہے بلکہ اعتبار حکم کا ہے۔ چنانچہ اگر شرطیہ متصلہ اور منفصلہ میں اتصال اور انفصال کا حکم کلی ہو تو قضیہ شرطیہ کلیہ ہوگا اور اگر یہ حکم جزئی ہو تو قضیہ جزئیہ ہوگا۔ جیسے **''کلما کان زید یکتب فھو یحرک یدہ''** اس کے مقدم اور تالی دونوں جزئی ہیں لیکن اس میں اتصال کا حکم کلی ہے لہٰذا یہ قضیہ شرطیہ کلیہ ہوگا۔

دوسری بات مصنفؒ یہ بتا رہے ہیں کہ جس طرح قضیہ حملیہ کی اقسام مخصوصہ، مہملہ اور محصورہ ہیں اسی طرح یہ قضیہ شرطیہ کی بھی اقسام بنتی ہیں:

قضیہ شرطیہ میں اگر اتصال اور انفصال کا حکم ایک مخصوص وضع پر ہو تو وہ شرطیہ مخصوصہ ہوگا۔

اگر یہ حکم ایک مخصوص وضع پر نہ ہوتو پھر دوصورتیں ہونگی یا تواس قضیہ میں حکم کی کمیت اور مقدار بیان کی گئی ہوگی کہ وہ تمام اوضاع پر ہے یا بعض پر، تو یہ شرطیہ محصورہ ہے۔ اگر اس میں حکم کی کمیت اور مقدار بیان نہ کی گئی ہوتو وہ شرطیہ مہملہ ہے۔

تیسری بات مصنفؒ نے یہ بیان کی کہ شرطیہ محصورہ کی جو چار قسمیں بنیں گی یعنی موجبہ کلیہ، موجبہ جزئیہ، سالبہ کلیہ، اور سالبہ جزئیہ۔ ان کے سور کیا ہوں گے؟

متصلہ موجبہ کلیہ کے سور تین ہیں :۱۔کلما ۲۔مہما ۳۔متیٰ

منفصلہ موجبہ کلیہ کا سور ایک ہے :دائماً

سالبہ کلیہ خواہ متصلہ ہو یا منفصلہ دونوں کا سور ایک ہے :لیس البتہ

موجبہ جزئیہ خواہ متصلہ ہو یا منفصلہ اس کا سور ایک ہے :قد یکون

سالبہ جزئیہ خواہ متصلہ ہو یا منفصلہ اس کے دو سور ہیں :۱۔قد لا یکون ۲۔جب متصلہ موجبہ کلیہ اور منفصلہ موجبہ کلیہ کے سور پر لفظ ''لیس'' داخل کر دیا جائے تو وہ بھی سالبہ جزئیہ کا سور بن جاتا ہے۔ جیسے لیس کلما، لیس مہما، لیس متیٰ، لیس دائماً۔

آخر میں مصنفؒ نے قضیہ شرطیہ مہملہ کے سور بیان کیے ہیں:

متصلہ مہملہ کے سور تین ہیں :۱۔لو ۲۔إن ۳۔اذا۔ بشرطیکہ ان کو کلیہ اور جزئیہ کے سور کے بغیر لایا جائے۔

منفصلہ مہملہ کے سور دو ہیں :۱۔إما ۲۔أو۔ بشرطیکہ ان کو کلیہ اور جزئیہ کے سور کے بغیر لایا جائے۔

شرطیہ کے اجزاء ترکیبی

والشرطية قد تركب عن حمليتين، وعن متصلتين وعن منفصلتين، وعن حملية ومتصلة، وعن حملية ومنفصلة، وعن متصلة ومنفصلة، وكل واحدة من هذه الثلاثة الأخيرة في

المتصلة تنقسم إلى قسمين لامتياز مقدمها عن تاليها بالطبع، بخلاف المنفصلة فإن مقدمها إنما يتميز عن تاليها بالوضع فقط۔ فأقسام المتصلات تسعة والمنفصلات ستة۔ وأما الأمثلة فعليك باستخراجها من نفسك۔

یعنی ''قضیہ شرطیہ کبھی مرکب ہوگا دو قضیہ حملیہ سے اور کبھی دو قضیہ متصلہ سے اور کبھی دو قضیہ منفصلہ سے اور کبھی ایک قضیہ حملیہ اور ایک قضیہ متصلہ سے اور کبھی ایک قضیہ حملیہ اور ایک قضیہ منفصلہ سے اور کبھی ایک قضیہ متصلہ اور ایک منفصلہ سے اور ان آخری تین اقسام میں سے ہر ایک متصلہ میں سے پھر دو قسموں کی طرف تقسیم ہوں گی کیونکہ اس کا مقدم اس کے تالی سے بالطبع جدا ہوتا ہے۔ بخلاف قضیہ منفصلہ سے اس کا مقدم اس کے تالی سے صرف بالوضع جدا ہوتا ہے۔ پس متصلات کی نو قسمیں ہوئیں اور منفصلات کی چھ۔ مثالیں آپ خود ہی بنالیں۔''

شرح:

قضیہ شرطیہ کے بارے میں یہ گزر چکا ہے کہ یہ دو قضایا سے مل کر بنتا ہے اب ان دو قضایا کے اعتبار سے مصنفؒ قضیہ شرطیہ کی دونوں قسموں متصلہ ومنفصلہ کی مختلف صورتیں بیان کرتے ہیں:

قضیہ شرطیہ متصلہ کی ترکیب کے اعتبار سے نو صورتیں بنتی ہیں:

۱۔ دو قضیہ حملیہ سے مرکب ہو۔ جیسے **''کلما کان الشيء انسانا فهو حيوان''**

۲۔ دو قضیہ متصلہ سے مرکب ہو۔ جیسے **''کلما ان کان الشيء انسانا فهو حيوان فكلما لم يكن الشيء حيوانا لم يكن انسانا''**

۳۔ دو قضیہ منفصلہ سے مرکب ہو۔ جیسے **''کلما کان دائماً اما ان یکون هذا العدد**

زوجا او فردا فدائماً اما ان یکون منقسما بمتساویین أو غیر منقسم"

۴۔ ایک قضیہ حملیہ اور ایک قضیہ متصلہ سے مرکب ہو جس میں مقدم حملیہ ہو۔ جیسے "ان کان طلوع الشمس علة لوجود النهار فکلما کانت الشمس طالعة فالنهار موجود"

۵۔ اس کے برعکس یعنی ایک قضیہ متصلہ اور ایک قضیہ حملیہ سے مرکب ہو جس میں مقدم متصلہ ہو۔ جیسے "ان کان کلما کانت الشمس طالعة فالنهار موجود فطلوع الشمس ملزوم لوجود النهار"

۶۔ ایک قضیہ حملیہ اور منفصلہ سے مرکب ہو جس میں مقدم حملیہ ہو۔ جیسے "ان کان هذا عددا فهو اما زوج أو فرد"

۷۔ اس کے برعکس یعنی ایک قضیہ منفصلہ اور ایک قضیہ حملیہ سے مرکب ہو جس میں مقدم منفصلہ ہو۔ جیسے "کلما کان هذا اما زوجا او فردا کان هذا عددا"

۸۔ پہلے متصلہ اور دوسرے منفصلہ سے مرکب ہو جیسے "ان کان کلما کانت الشمس طالعة فالنهار موجود فدائماً إما ان یکون الشمس طالعة وإما ان لا یکون النهار موجودا"

۹۔ اس کے برعکس یعنی پہلے منفصلہ اور دوسرے متصلہ سے مرکب ہو جیسے "کلما کان دائماً إما ان یکون الشمس طالعة وإما ان لا یکون النهار موجودا فکلما کانت الشمس طالعة فالنهار موجود"

قضیہ شرطیہ منفصلہ کی ترکیب کے اعتبار سے چھ صورتیں بنتی ہیں:

۱۔ دو قضیہ حملیہ سے مرکب ہو۔ جیسے "اما ان یکون هذا العدد زوجا او فردا"

۲۔ دو قضیہ متصلہ سے مرکب ہو۔ جیسے "دائماً اما ان یکون ان کانت الشمس طالعة فالنهار موجود و اما ان یکون ان کانت الشمس طالعة لم یکن النهار موجودا"

۳۔ دو قضیہ منفصلہ سے مرکب ہو۔ جیسے "دائماً اما ان یکون هذا العدد زوجا او

فرداواماان یکون ھذاالعدد لازوجاو لافردا"

۴۔ایک قضیہ حملیہ اورایک قضیہ متصلہ سے مرکب ہو۔ جیسے "دائما اما ان لا یکون طلوع الشمس علة لوجود النهار واما ان یکون کلما کانت الشمس طالعة کان النهار موجودا"

۵۔ایک قضیہ حملیہ اورایک قضیہ منفصلہ سے مرکب ہو۔ جیسے "دائماًاماان یکون ھذا الشیءلیس عدداواماان یکون امازوجااو فردا"

۶۔ایک قضیہ متصلہ اورایک قضیہ منفصلہ سے مرکب ہو۔ جیسے "دائماً اما ان یکون کلما کانت الشمس طالعة فالنهار موجود واما ان یکون الشمس طالعة واما ان لا یکون النهار موجودا"

قضیہ متصلہ کی دونوں طرفوں میں امتیاز ان کی طبیعت اور حقیقت کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ اس لیے ان کو موضوع اور محمول بنانے کے اعتبار سے نو اقسام حاصل ہوتی ہیں۔قضیہ منفصلہ کی دونوں طرفوں میں امتیاز صرف وضع اور ذکر کی وجہ سے ہوتا ہے۔اس میں مقدم کو تالی بنائیں یا تالی کو مقدم بنائیں بات ایک ہی رہے گی۔اس لیے قضیہ منفصلہ کی صرف چھ صورتیں حاصل ہوتی ہیں۔

تناقض کی تعریف

الفصل الثالث :فی احکام القضایا۔ وفیه اربعة مباحث : المبحث الاول فی التناقض، وحدوه بأنه :اختلاف قضیتین بالایجاب والسلب بحیث یقتضی لذاته أن یکون إحداهماصادقة والاخری کاذبة۔

یعنی "تیسری فصل قضایا کے احکام کے بیان میں ہے۔اوراسمیں کل چار ابحاث ہیں۔پہلی بحث تناقض کے بیان میں ہے اور مناطقہ نے تناقض

کی تعریف یہ کی ہے کہ دو قضایا میں ایجاب اور سلب کے اعتبار سے ایسا اختلاف کہ وہ اپنی ذات کے اعتبار سے اس کا تقاضا کرے کہ دو میں سے ایک قضیہ سچا اور دوسرا جھوٹا ہو۔“

شرح:

ابتداءً تناقض میں ان چار شروط کا پایا جانا ضروری ہے:

ا۔ تناقض دو قضایا کے درمیان ہو، لہٰذا دو مفرد کے درمیان اصطلاحی تناقض کا اعتبار نہیں

۲۔ دونوں قضایا کے درمیان اختلاف ایجاب وسلب کا ہو۔ اگر یہ اختلاف ایجاب وسلب کا نہیں تو اصطلاحی تناقض نہیں ہوگا۔ اگر چہ ایک سچا ہو اور ایک جھوٹا ہو۔ جیسے **”زید طالب“** اور **”زید تاجر“**

۳۔ دونوں قضایا میں سے ایک سچا ہو اور دوسرا جھوٹا ہو۔ اگر دونوں قضایا بیک وقت سچے یا جھوٹے ہوئے تو اصطلاحی تناقض نہیں ہوگا۔ جیسے **”زید ابن“** اور **”زید لیس بأبٍ“**

۴۔ دونوں قضایا میں سے ایک کے سچے اور دوسرے کے جھوٹے ہونے کے سبب ایجاب وسلب کا اختلاف ہو۔ اگر کسی اور وجہ سے قضیہ صادق یا کاذب ہے تو وہ اصطلاحی تناقض نہیں ہوگا۔ جیسے **”کل انسان حیوان“** اور **”لاشی من الانسان بحیوان“** ان دونوں قضایا میں ایک سچا اور ایک جھوٹا ہے لیکن اس کا سبب ایجاب وسلب نہیں بلکہ ان کا اصل مفہوم ہے۔

مصنفؒ نے جو تعریف بیان کی ہے اس میں ایک جنس اور چار فصول ہیں:

لفظ اختلاف جنس ہے اور اس کی اضافت ”قضیتین“ کی طرف فصل اول ہے اس سے مفردین کا اختلاف نکل گیا۔ اور **”بالایجاب والسلب“** فصل ثانی ہے اس کے ذریعے وہ اختلاف نکل گیا جو ایجاب وسلب کے علاوہ ہو۔ جیسے کلی جزئی ہونے کا اختلاف یا شرطیہ حملیہ ہونے کا اختلاف اور **”بحیث یقتضی صدق احداھما وکذب الاخریٰ“** فصل ثالث ہے،

اس کے ذریعے وہ اختلاف نکل گیا جو ایجاب وسلب کے ذریعے ہو لیکن ایک کے صدق اور دوسرے کے کذب کا تقاضہ نہ کرے۔ جیسے "**علی قائم**" اور "**علی لیس بجالس**"۔ اور "**لذاته**" فصل رابع ہے اس کے ذریعے وہ صورت نکل گئی جب ایجاب وسلب کا اختلاف بھی ہو اور ایک قضیہ سچا اور دوسرا جھوٹا بھی ہو۔ لیکن اس صدق اور کذب کی وجہ ایجاب وسلب نہیں بلکہ کوئی اور ہو۔

تناقض کی شرائط

ولا يتحقق التناقض فى المخصوصتين إلا عند اتحاد الموضوع، ويندرج فيه وحدة الشرط، والجزء، والكل، وعند اتحاد المحمول، ويندرج فيه وحدة الزمان، والمكان، والاضافة، والقوة، والفعل۔ وفى المحصورتين لا بد مع ذلك من الاختلاف بالكميتين لصدق الجزئيتين، وكذب الكليتين فى كل مادة يكون فيها الموضوع أعم من المحمول، ولا بد فى الموجهتين مع ذلك من اختلاف الجهة۔ لصدق الممكنتين وكذب الضروريتين فى مادة الامكان۔

یعنی "اور دو قضیہ مخصوصہ میں تناقض ثابت نہیں ہوگا مگر جب دونوں کا موضوع ایک ہو اور اس میں شرط، جزء اور کل کی وحدت شامل ہوگئی۔ اور جب دونوں کا محمول ایک ہو اور اس میں زمان، مکان، اضافت، قوت اور فعل کی وحدت شامل ہوگئی۔ اور دو قضیہ محصورہ میں ان وحدات کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ کمیت کے اعتبار سے مختلف ہوں کیونکہ دونوں جزئیہ صادق آئیں گے اور دونوں کلیہ کاذب ہوں گے ہر اس مادے میں جس میں موضوع محمول سے اعم ہوگا۔ اور دو قضیہ موجہہ میں ان کے گذشتہ

شرائط کے ساتھ اختلاف جہت ہونا بھی ضروری ہے کیونکہ دونوں ممکنہ صادق آئیں گے اور دونوں ضروریہ کاذب ہوں گے مادہ امکان میں۔"

شرح:

ایسے دو قضایا جن میں تناقض ہوگا یا تو دونوں حملیہ ہوں گے یا شرطیہ۔ شرطیہ کی بحث بعد میں آئے گی۔ قضیہ حملیہ میں سے قضیہ مخصوصہ کے درمیان تناقض کے پائے جانے کیلئے آٹھ وحدتوں کا پایا جانا ضروری ہے۔ جنہیں وحدات ثمانیہ کہتے ہیں:

۱۔ وحدت موضوع: یعنی دونوں قضیوں کا موضوع ایک ہو اگر موضوع مختلف ہو تو تناقض نہ ہوگا۔ جیسے "**زید قائم**" اور "**زید لیس بقائم**" ان دونوں میں تناقض ہے اور اگر کہا جائے "**زید قائم وعمرو لیس بقائم**" تو تناقض نہ ہوگا۔ کیونکہ ایک میں موضوع زید ہے اور دوسرے میں عمرو ہے۔

۲۔ وحدت محمول: یعنی دونوں قضیوں کا محمول بھی ایک ہو۔ اگر محمول بدل گیا تو تناقض نہ ہوگا۔ جیسے "**زید کاتب**" اور "**زید لیس بقائم**"۔ ان دونوں میں تناقض نہیں ہے کیونکہ دونوں کا محمول ایک نہیں ہے، پہلے محمول میں زید کاتب ہے اور دوسرے میں قائم ہے اگر بجائے "**لیس بقائم، لیس بکاتب**" کہا جاتا تو تناقض ہو جاتا۔

۳۔ وحدت مکان: یعنی دونوں قضیوں کا مکان (جگہ) ایک ہو۔ اگر جگہ میں اختلاف ہوگا تو تناقض نہ ہوگا۔ جیسے "**زید قاعد فی المسجد**" اور "**زید لیس بقاعد فی الدار**" تو ان دونوں میں تناقض نہیں کیونکہ پہلے قضیہ میں بیٹھنے کی جگہ مسجد ہے اور دوسرے میں نہ بیٹھنے کی جگہ گھر ہے۔

۴۔ وحدت زمان: یعنی دونوں قضیوں میں حکم کا زمانہ ایک ہو۔ اگر زمانہ بدل جائے گا تو تناقض نہ ہوگا۔ جیسے "**زید نائم فی اللیل**" اور "**زید لیس بنائم فی النہار**" تو ان دونوں میں کوئی تناقض نہیں کیونکہ پہلے قضیہ میں سونے کا حکم رات میں ہے اور دوسرے قضیہ میں نہ

سونے کا حکم دن میں ہے۔

۵۔ وحدت شرط : یعنی دونوں قضیوں میں ایک شرط کے ساتھ حکم لگایا گیا ہو۔ اگر شرط بدل جائے گی تو تناقض نہ ہوگا۔ جیسے "**زید متحرک الاصابع ان کان کاتباً**" اور "**زید لیس بمتحرک الاصابع ان لم یکن کاتبا**"۔ پہلے قضیہ میں انگلیاں ہلانے کا حکم کاتب نہ ہونے کی شرط کے ساتھ ہے پس شرط بدل جانے کی وجہ سے تناقض نہیں رہا۔

۶۔ وحدت جزو کل : یعنی ایک قضیہ میں حکم اگر کل یعنی پورے موضوع پر کیا جائے تو دوسرے میں بھی کل پر کیا جائے۔ اسی طرح اگر ایک میں جزو پر حکم ہو تو دوسرے میں بھی جزو پر حکم ہو۔ اگر ایک میں تو کل پڑ ہو اور دوسرے میں جزو پر ہو تو تناقض نہ ہوگا۔ جیسے "**الزنجی اسود ای بعضه**" اور "**الزنجی لیس بأسود ای کله**" تو ان دونوں میں تناقض نہیں بلکہ دونوں سچے ہیں کیونکہ حبشی کے دانت کالے نہیں ہوتے، باقی حصہ کالا ہوتا ہے اس لیے پہلا قضیہ اور دوسرا قضیہ دونوں صحیح ہیں۔

۷۔ وحدت اضافت : یعنی دونوں قضیوں میں ایک ہی شے کی طرف نسبت ہو، اگر نسبت بدل گئی تو تناقض نہ ہوگا۔ جیسے "**زید اب لعمرو**" اور "**زید لیس بأب ای لبکر**" تو ان دونوں میں کوئی تناقض نہیں۔ اس لیے پہلے قضیہ میں زید کو عمرو کا باپ کہا گیا ہے اور دوسرے قضیہ میں زید سے بکر کے باپ ہونے کی نفی کی گئی ہے اور یہ دنوں باتیں صحیح ہو سکتی ہیں۔ کہ زید عمرو کا باپ ہو اور بکر کا باپ نہ ہو۔

۸۔ قوت وفعل : قوت سے مراد یہ ہے کہ کسی کام کے ہونے کی استعداد اور لیاقت ہو اور فعل سے مراد کسی کام کا اسی وقت ہونا۔ اس شرط کا مطلب یہ ہے کہ اگر ایک قضیہ میں حکیم بالقوہ ہے یعنی یہ بیان کیا گیا ہے کہ موضوع میں محمول کے ثابت ہونے کی استعداد اور صلاحیت ہے تو دوسرے قضیہ میں اس حکم کا سلب بالقوہ ہو، یعنی یہ بیان کیا جائے کہ موضوع میں محمول کے ثابت ہونے کی استعداد اور صلاحیت نہیں ہے اور اگر پہلے قضیہ میں حکم بالفعل ہو یعنی بیان کیا گیا ہو کہ

محمول موضوع کیلئے اسی وقت ثابت ہے تو دوسرے قضیہ میں اس حکم کا سلب بالفعل ہو یعنی یہ بیان کیا جائے کہ محمول موضوع اس لیے اس وقت ثابت نہیں ہے اگر ایک میں بالقوہ حکم ہو اور دوسرے میں بالفعل ہو تو تناقض نہ ہوگا جیسے "**الخمر فی الدن مسکر بالقوۃ**" مٹکے میں جو شراب ہے اس میں نشہ لانے کی استعداد ہے اور "**الخمر فی الدن لیس بمسکر بالفعل**" مٹکے میں جو شراب ہے وہ اس وقت نشہ والی نہیں۔ تو چونکہ پہلے قضیہ میں نشہ لانے کا حکم بالقوہ ہے اور دوسرے میں نشہ لانے کی نفی بالفعل ہے اس لیے دونوں میں تناقض نہیں۔

متاخرین مناطقہ نے وحدات ثمانیہ کو صرف دو میں منحصر کرلیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ تناقض کیلئے صرف وحدت موضوع اور وحدت محمول ضروری ہے۔ وحدت موضوع میں وحدت شرط اور وحدت کل وجزء آ جاتی ہیں۔ وحدت محمول میں وحدت زمان، وحدت مکان، وحدت اضافت اور وحدت قوت وفعل شامل ہیں۔

شیخ فارابی نے مزید اختصار سے کام لیتے ہوئے تمام وحدتوں کو صرف ایک وحدت میں داخل کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ تناقض کیلئے صرف نسبت حکمیہ کی وحدت ضروری ہے۔ قضیہ میں جو نسبت ایجابیہ ہے اس پر حرف سلب داخل کریں تو تناقض ثابت ہو جائے گا۔

تناقض کیلئے مندرجہ ذیل شرائط کا لحاظ بھی ضروری ہے:

ا۔ ایجاب اور سلب میں مختلف ہونا، یعنی دو قضیوں میں سے اگر ایک موجبہ ہو تو دوسرا سالبہ ہو۔ اگر دونوں موجبہ ہوں یا دونوں سالبہ ہوں تو تناقض نہ ہوگا۔

۲۔ اگر دونوں قضیے محصورہ ہوں تو کلیہ اور جزئیہ ہونے میں مختلف ہونا۔ اگر دونوں کلیہ ہوں یا دونوں جزئیہ ہوں تو تناقض نہ ہوگا۔

۳۔ اگر دونوں قضیے موجہہ ہوں تو ان دونوں کا جہت یعنی امکان اور لزوم وغیرہ میں مختلف ہونا۔ یعنی اگر ایک قضیہ میں جو جہت پائی جاتی ہو تو دوسرے قضیہ میں اس کے خلاف جہت ہو۔ ورنہ تناقض نہ ہوگا۔

نقائض موجہات

فنقيض الضرورية المطلقة الممكنة العامة . . . الخ

حسب سابق یہاں بھی تطویل سے بچنے کیلئے متن اور ترجمہ ذکر نہیں کیا جارہا ھے۔ اس مقام پر قضایا موجہات کی نقیضوں کا بیان ھے جو مندرجہ ذیل جداول سے معلوم کی جاسکتی ھیں:

موجہات بسیطہ کی نقائض کا جدول

نمبر شمار	اصل قضیہ	مثال	نقیض قضیہ	مثال
۱	موجبہ کلیہ ضروریہ مطلقہ	کل انسان حیوان بالضرورہ	سالبہ جزئیہ ممکنہ عامہ	بعض الانسان لیس بحیوان بالامکان العام
۲	سالبہ کلیہ ضروریہ مطلقہ	لاشی من الانسان بحجر بالضرورہ	موجبہ جزئیہ ممکنہ عامہ	بعض الانسان حجر بالامکان العام
۳	موجبہ کلیہ دائمہ مطلقہ	کل انسان حیوان دائما	سالبہ جزئیہ مطلقہ عامہ	بعض الانسان لیس بحیوان بالفعل
۴	سالبہ کلیہ دائمہ مطلقہ	لاشی من الانسان بحجر دائما	موجبہ جزئیہ مطلقہ عامہ	بعض الانسان حجر بالفعل
۵	موجبہ کلیہ مشروطہ عامہ	کل کاتب متحرک الاصابع بالضرورہ مادام کاتبا	سالبہ جزئیہ حینیہ ممکنہ	بعض الکتاب لیس بمتحرک الاصابع بالامکان حین ہو کاتب
۶	سالبہ کلیہ مشروطہ عامہ	لاشی من الکاتب بساکن الاصابع بالضرورہ مادام کاتبا	موجبہ جزئیہ حینیہ ممکنہ	بعض الکاتب ساکن الاصابع بالامکان حین ہو کاتب

مرکبات کلیہ کی نقائض کا جدول

نمبر شمار	اصل قضیہ	مثال	نقیض	مثال

۱	موجبہ کلیہ مشروطہ خاصہ	کل کاتب متحرک الاصابع بالضرورہ مادام کاتبا لادائما	منفصلہ مانعۃ الخلو	اما بعض الکاتب لیس بمتحرک الاصابع بالامکان حین ہو کاتب، واما بعض الکاتب متحرک الاصابع دائما
۲	سالبہ کلیہ مشروطہ خاصہ	لاشی من الکاتب بساکن الاصابع بالضرورہ مادام کاتبا دائما	//	اما بعض الکاتب ساکن الاصابع بالامکان حین ہو کاتب، واما بعض الکاتب لیس بساکن الاصابع دائما
۳	موجبہ کلیہ عرفیہ خاصہ	کل کاتب متحرک الاصابع دائما مادام کاتبا لادائما	//	اما بعض الکاتب لیس بمتحرک الاصابع بالفعل حین ہو کاتب، واما بعض الکاتب متحرک الاصابع دائما
۴	سالبہ کلیہ عرفیہ خاصہ	لاشی من الکاتب بساکن الاصابع دائما مادام کاتبا لادائما	//	اما بعض الکاتب ساکن الاصابع بالفعل حین ہو کاتب، واما بعض الکاتب لیس بساکن الاصابع دائما
۵	موجبہ کلیہ وقتیہ	کل قمر منخسف بالضرورہ وقت الحیلولۃ لادائما	//	اما بعض القمر منخسف بالامکان وقت الحیلولۃ واما بعض القمر لیس بمنخسف دائما
۶	سالبہ کلیہ وقتیہ	لاشی من القمر بمنخسف بالضرورہ وقت التربیع لادائما	//	اما بعض القمر منخسف بالامکان وقت التربیع، واما بعض القمر لیس بمنخسف دائما
۷	موجبہ کلیہ منتشرہ	کل انسان متنفس بالضرورہ وقتا مالادائما	//	اما بعض الانسان لیس بمتنفس بالامکان دائما، واما بعض الانسان متنفس دائما
۸	سالبہ کلیہ منتشرہ	لاشی من الانسان بمتنفس بالضرورہ وقتا مالادائما	//	اما بعض الانسان متنفس بالامکان دائما واما بعض الانسان لیس بمتنفس دائما
۹	موجبہ کلیہ وجودیہ لاضروریہ	کل انسان ضاحک بالفعل لا بالضرورہ	//	اما بعض الانسان لیس بضاحک دائما، واما بعض الانسان لیس بضاحک بالضرورہ
۱۰	سالبہ کلیہ وجودیہ لاضروریہ	لاشی من الانسان بضاحک بالفعل لابالضرورہ	//	اما بعض الانسان ضاحک دائما واما بعض الانسان لیس بضاحک بالضرورہ
۱۱	موجبہ کلیہ وجودیہ لادائمہ	کل انسان ضاحک بالفعل لادائما	//	اما بعض الانسان لیس بضاحک دائما واما بعض الانسان ضاحک دائما

۱۲	سالبہ کلیہ وجودیہ لادائمہ	لاشی من الانسان بضاحک بالفعل لادائما	//	امابعض الانسان ضاحک دائما واما بعض الانسان کاتب بالضرورہ
۱۳	موجبہ کلیہ ممکنہ خاصہ	کل انسان کاتب بالامکان الخاص	//	امابعض الانسان لیس بکاتب بالضرورہ، واما بعض الانسان کاتب بالضرورہ
۱۴	سالبہ کلیہ ممکنہ خاصہ	لاشی من الانسان بکاتب بالامکان الخاص	//	امابعض الکاتب کاتب بالضرورہ، واما بعض الانسان لیس بکاتب بالضرورہ

مرکبات جزئیہ کی نقائض کا نقشہ

نمبر شمار	اصل قضیہ	مثال	نقیض	مثال
۱	موجبہ جزئیہ مشروطہ خاصہ	بعض الکاتب متحرک الاصابع بالضرورہ مادام کاتبا لادائما	حملیہ کلیہ مرددۃ المحمول	کل کاتب امالیس بمتحرک الاصابع بالامکان حین ہو کاتب او متحرک الاصابع دائما
۲	سالبہ جزئیہ مشروطہ خاصہ	بعض الکاتب لیس بساکن الاصابع بالضرورہ مادام کاتبا لادائما	//	کل کاتب اما ساکن الاصابع بالامکان حین ہو کاتب اولیس بساکن الاصابع دائما
۳	موجبہ جزئیہ عرفیہ خاصہ	بعض الکتاب متحرک الاصابع دائما مادام کاتبا لادائما	//	کل کاتب امالیس بمتحرک الاصابع بالفعل حین ہو کاتب او متحرک الاصابع دائما
۴	سالبہ جزئیہ عرفیہ خاصہ	بعض الکاتب لیس بساکن الاصابع دائما مادام کاتبا لادائما	//	کل کاتب اما ساکن الاصابع بالفعل حین ہو کاتب اولیس بساکن الاصابع دائما
۵	موجبہ جزئیہ وقتیہ	بعض القمر منخسف بالضرورہ وقت الحیلولۃ لادائما	//	کل قمر امالیس بمنخسف بالامکان وقت الحیلولۃ او منخسف دائما
۶	سالبہ جزئیہ وقتیہ	بعض القمر لیس بمنخسف بالضرورہ وقت التربیع لادائما	//	کل قمر اما منخسف بالامکان وقت التربیع او لیس بمنخسف دائما

۷	موجبہ جزئیہ منتشرہ	بعض الانسان متنفس بالضرورہ وقتا ما لا دائما	//	کل انسان اما لیس بمتنفس بالامکان دائما او متنفس دائما
۸	سالبہ جزئیہ منتشرہ	بعض الانسان لیس بمتنفس بالضرورہ وقتا ما لا دائما	//	کل انسان اما متنفس بالامکان دائما اولیس بمتنفس دائما
۹	موجبہ جزئیہ وجودیہ لاضروریہ	بعض الانسان ضاحک بالفعل لا بالضرورہ	//	کل انسان اما لیس بضاحک دائما او ضاحک بالضرورہ
۱۰	سالبہ جزئیہ وجودیہ لاضروریہ	بعض الانسان لیس بضاحک بالفعل لا بالضرورہ	//	کل انسان اما ضاحک دائما اولیس بضاحک بالضرورہ
۱۱	موجبہ جزئیہ وجودیہ لادائمہ	بعض الانسان ضاحک بالفعد لا دائما	//	کل انسان اما لیس بضاحک دائما او ضاحک دائما
۱۲	سالبہ جزئیہ وجودیہ لادائمہ	بعض الانسان لیس بضاحک بالفعل لا دائما	//	کل انسان اما ضاحک دائما اولیس بضاحک دائما
۱۳	موجبہ جزئیہ ممکنہ خاصہ	بعض الانسان کاتب بالامکان الخاص	//	کل انسان اما لیس بکاتب بالضرورہ او کاتب بالضرورہ
۱۴	سالبہ جزئیہ ممکنہ خاصہ	بعض الانسان لیس بکاتب بالامکان الخاص	//	کل انسان اما کاتب بالضرورہ اولیس بکاتب بالضرورہ

شرطیہ کی نقیض

وأما الشرطية :فنقيض الكلية منها الجزئية الموافقة لها في الجنس والنوع، المخالفة في الكيف وبالعكس۔

یعنی ''اور شرطیہ، تو اس میں قضیہ کلیہ کی نقیض قضیہ جزئیہ سے آئے گی جو جنس اور نوع میں کلیہ کے موافق ہوگا اور کیف میں مخالف۔ اسی طرح اس کا عکس بھی ہوگا۔''

شرح:

قضیہ حملیہ کے درمیان تناقض کے بعد اب قضیہ شرطیہ کی نقائض اور اس کی شرطیں بیان کرتے ہیں، قضیہ شرطیہ کی نقیض لانے کیلئے چار شرطوں کا لحاظ کرنا ضروری ہے :

۱۔ اصل قضیہ اور نقیض دونوں جنس میں ایک دوسرے کے موافق ہوں یعنی متصلہ کی نقیض بھی متصلہ ہوگی اور منفصلہ کی نقیض بھی منفصلہ ہوگی۔

۲۔ اصل قضیہ اور نقیض دونوں نوع میں ایک دوسرے کے موافق ہوں گے یعنی اگر اصل قضیہ لزومیہ ہے تو نقیض بھی لزومیہ ہوگی اور اصل قضیہ عنادیہ ہے تو نقیض بھی عنادیہ ہوگی اور اصل قضیہ اتفاقیہ ہے تو نقیض بھی اتفاقیہ ہوگی۔

۳۔ اصل قضیہ اور نقیض دونوں کیفیت یعنی ایجاب وسلب میں ایک دوسرے کے مخالف ہوں گے۔ اگر اصل قضیہ موجبہ ہوگا تو اس کی نقیض سالبہ اور اصل قضیہ سالبہ ہوا تو نقیض موجبہ ہوگی۔

۴۔ اصل قضیہ اور نقیض دونوں ''کم'' یعنی کلی اور جزئی ہونے میں ایک دوسرے کے مخالف ہوں گے۔ اگر اصل قضیہ کلیہ ہو تو نقیض جزئیہ ہوگی اور اگر اصل قضیہ جزئیہ ہوا تو نقیض کلیہ ہوگی۔

ان شرائط کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ :

موجبہ کلیہ کی نقیض سالبہ جزئیہ آئے گی۔ اس کی مثال متصلہ لزومیہ میں یہ ہوگی کہ اصل قضیہ **''کلما کان الشیء انسانا فھو حیوان''** ہے اور اس کی نقیض ہوگی **''لیس کلما کان الشیء انسان فھو حیوان''** اور متصلہ اتفاقیہ میں اس کی مثال ہوگی **''کلما کان الانسان ناطقا کان قائما''** تو اس کی نقیض ہوگی **''لیس کلما کان الانسان ناطقا کان قائما''**۔

منفصلہ میں مثال یوں بنے گی **''دائماً اما ان یکون العدد زوجا او فردا''** اس کی نقیض ہوگی **''لیس دائما اما ان یکون العدد زوجا او فردا''** اور اتفاقیہ منفصلہ کی مثال ہوگی **''دائماً اما ان یکون الحیوان ولودا او ذابیض''** اس کی نقیض ہوگی **''لیس دائماً اما ان یکون الحیون ولودا او ذابیض''**۔

شرطیہ میں سالبہ کلیہ کی نقیض موجبہ جزئیہ ہوگی، خواہ شرطیہ متصلہ ہو یا منفصلہ۔ اسی طرح موجبہ جزئیہ کی نقیض سالبہ کلیہ اور سالبہ جزئیہ کی نقیض موجبہ کلیہ ہوگی۔

عکس مستوی

البحث الثانی فی العکس المستوی، وهو عبارة عن :جعل الجزء الأول من القضية ثانيه، والثانی أولا۔ مع بقاء الصدق والکیف بحالهما۔

یعنی ''دوسری بحث عکس مستوی کے بیان میں ہے۔ اور یہ اس سے عبارت ہے کہ قضیہ کے پہلے حصے کو دوسرا بنالیا جائے اور دوسرے کو پہلا بنالیا جائے لیکن صدق اور کیف دونوں اپنی حالت پر باقی رہیں۔''

شرح:

عکس کالغوی معنیٰ ''الٹ'' ہیں مناطقہ کی اصطلاح میں عکس مستوی کی تعریف یہ ہے:

قضیہ کے پہلے جزء کو دوسرا اور دوسرے کو پہلا جزء بنادیا جائے۔لیکن صدق اور کیف کو باقی رکھا جائے۔

قضیہ کے پہلے حصے سے مراد حملیہ میں موضوع اور شرطیہ میں مقدم ہے۔

قضیہ کے دوسرے حصے سے مراد حملیہ میں محمول اور شرطیہ میں تالی ہے۔

صدق کے باقی رہنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر عکس سے پہلے قضیہ سچا ہے تو عکس کے بعد بھی سچا رہے گا۔ کیف سے مراد یہاں ایجاب اور سلب ہے یعنی اگر عکس سے پہلے قضیہ موجبہ ہے تو عکس کے بعد بھی موجبہ رہے گا اور اگر عکس سے پہلے سالبہ ہے تو عکس کے بعد بھی سالبہ رہے گا۔

عکس کی بحث میں چار باتوں کا خیال رکھنا چاہئے:

ا۔عکس کی تعریف میں جزئین سے مراد وہ دو جزء ہیں جو ذکر میں آتے ہیں، نہ کہ اجزائے

حقیقیہ۔ کیونکہ حقیقت میں قضیہ کا پہلا جزء ذات موضوع اور دوسرا جزء وصف محمول ہے۔ ان دو اجزائے حقیقیہ میں عکس نہیں ہوسکتا۔ اس لیے کہ عکس کی وجہ سے ذات موضوع، وصف محمول اور وصف محمول، ذات موضوع نہیں بن سکتا صرف اتنی تبدیلی کی جاتی ہے کہ ذکر کرنے میں موضوع کو محمول اور محمول کو موضوع کر دیا جاتا ہے۔

۲۔ جزئین کی تبدیلی سے مراد جگہ کے اعتبار سے تبدیلی نہیں ہے بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ محکوم علیہ کو محکوم بہ بنا دیا جائے اور محکوم بہ کو محکوم علیہ بنا دیا جائے۔ خواہ دونوں جزؤں کی جگہ تبدیل ہو جیسے جملہ اسمیہ میں ہوتا ہے۔ یا دونوں کی جگہ تبدیل نہ ہو جیسے جملہ فعلیہ میں ہوتا ہے۔

جملہ اسمیہ "**القرآن ناطق بالحق**" کا عکس آئے گا "**بعض الناطق بالحق القرآن**"۔ جملہ فعلیہ "**نطق القرآن بالحق**" کا عکس آئے گا "**بعض ناطق بالحق القرآن**"۔

۳۔ عکس اصل قضیہ کو لازم ہوتا ہے اور اصل قضیہ اس کا ملزوم ہوتا ہے۔ لہٰذا جب اصل قضیہ صادق ہوگا تو عکس بھی صادق ہوگا کیونکہ ملزوم کا صدق لازم کے صدق کو ثابت کرتا ہے۔ لیکن اگر اصل قضیہ کاذب ہوا تو اس سے عکس کا کذب یا صدق لازم نہیں آئے گا۔ کیونکہ ملزوم کے کذب سے لازم کا کذب ثابت نہیں ہوتا۔ جیسے "**کل حیوان انسان**" قضیہ کاذبہ ہے لیکن اس کا عکس "**بعض الانسان حیوان**" قضیہ صادقہ ہے۔

۴۔ عکس میں اصل قضیہ کے "کم" یعنی کلیت اور جزئیت کی بقاء ضروری نہیں۔ جیسا کہ کیف کی بقاء ضروری ہوتی ہے۔ لہٰذا عکس میں کبھی اصل قضیہ کا کلیہ یا جزئیہ ہونا باقی رہے گا اور کبھی باقی نہیں رہے گا۔

جس قضیہ کا عکس چاہیئے ہوگا وہ حملیہ ہوگا یا شرطیہ۔ شرطیہ کے عکس کا بیان آگے آئے گا۔ حملیہ کی دو صورتیں بنیں گی کہ قضیہ موجہہ ہوگا یا غیر موجہہ۔ پہلے غیر موجہات کا عکس بیان ہوگا پھر موجہات کے عکس کا جدول آئے گا۔

۱۔قضیہ سالبہ کلیہ : اس کا عکس سالبہ کلیہ ہی آتا ہے جیسے "**لاشیء من الجماد بحساس**" اس کا عکس ہوگا "**لاشیءمن الحساس بجماد**"

۲۔قضیہ سالبہ جزئیہ :اس کا عکس نہیں آتا۔کیونکہ اس کے عکس میں اصل قضیہ کا صدق ہمیشہ باقی رہیں رہ سکتا۔جب اس کا موضوع محمول سے اعم ہوگا تو اصل قضیہ سالبہ جزئیہ صادق ہوگا اور عکس کاذب ہوگا۔جیسے "**لیس بعض الحیوان بإنسان**" صادق ہے لیکن اس کا عکس "**لیس بعض الإنسان بحیوان**" کاذب ہے۔اگرچہ کبھی ایسا بھی ہوگا کہ اصل قضیہ کے ساتھ عکس بھی صادق ہو جیسے "**بعض الحیوان لیس بأبیض**" کا عکس ہے "**بعض الأبیض لیس بحیوان**"

۳۔قضیہ موجبہ کلیہ :اس کا عکس موجبہ جزئیہ آئے گا، جیسے "**کل انسان حیوان**" اس کا عکس ہے "**بعض الإنسان حیوان**" اور "**کل مصری عرب**" کا عکس ہے "**بعض العرب مصری**"۔

موجبہ کلیہ کا عکس موجبہ کلیہ نہیں آتا کیونکہ اس طرح صدق کا باقی رہنا ممکن نہیں۔جب موجبہ کلیہ کا محمول اس کے موضوع سے عام ہوگا تو اس عکس موجبہ کلیہ لانے کی صورت میں عکس صادق نہیں ہوگا۔جیسے "**کل حدید معدن**" کا عکس موجبہ کلیہ "**کل معدن حدید**" کاذب ہے البتہ موجبہ جزئیہ عکس "**بعض معدن حدید**" صادق ہے۔

۴۔قضیہ موجبہ جزئیہ : اس کا عکس موجبہ جزئیہ ہی آئے گا جیسے "**بعض الحیوان انسان**" کا عکس "**بعض الانسان حیوان**" آئے گا۔

مناطقہ کی عادت ہے کہ عکس کے بیان میں پہلے سالبہ کا عکس بیان کرتے ہیں پھر موجبہ کا کیونکہ سوالب میں سے بعض کا عکس کلی آتا ہے، جیسے سالبہ کلیہ کا عکس بھی سالبہ کلیہ ہے اور موجبات میں سے کسی کا عکس بھی کلی نہیں آتا چنانچہ موجبہ کلیہ اور جزئیہ دونوں کا عکس جزئیہ آتا ہے اور کلی، جزئی سے علیم منطق میں بہرحال اشرف اور مقدم ہے۔اسی لیے سالبہ کے عکس کو مقدم بیان کرتے ہیں۔

قضیہ حملیہ شخصیہ، کلیہ کی قوت میں ہوتا ہے، اس لیے اگر وہ سالبہ ہوگا تو اس کا عکس سالبہ کلیہ ہی ہوگا۔ جیسے "**لیس محمد قائما**" کا عکس "**لاواحد من القائمین محمد**" آئے گا۔ اور اگر یہ شخصیہ موجبہ ہوگا تو اس کا عکس موجبہ جزئیہ آئے گا جیسے "**محمد قائم**" کا عکس "**بعض القائم محمد**" آئے گا۔

قضیہ حملیہ مہملہ، جزئیہ کی قوت میں ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر یہ مہملہ سالبہ ہوا تو اس کا عکس نہیں آئے گا اور اگر یہ مہملہ جزئیہ ہے تو اس کا عکس موجبہ جزئیہ ہی آئے گا۔

عکس موجہات

موجہات میں سے سات قضایا جب سالبہ کلیہ ہوں تو ان کا عکس مستوی نہیں آئے گا یعنی وقتیہ مطلقہ، وجودیہ لاضروریہ، وجودیہ لادائمہ، ممکنہ عامہ، ممکنہ خاصہ اور مطلقہ عامہ۔ ان میں سے تین یعنی وقتیہ مطلقہ، ممکنہ عامہ اور مطلقہ عامہ موجہات بسائط میں سے ہیں۔ جبکہ باقی چار موجہات مرکبات میں سے ہیں۔ ان سب کا عکس نہ آنے کی وجہ یہ ہے کہ ان تمام قضایا سے قضیہ وقتیہ اخص ہے اور باقی تمام اعم ہیں۔ اور قضیہ وقتیہ کا عکس، صادق نہیں ہوتا۔ جب وقتیہ کا عکس نہیں آئے گا جو اخص ہے تو اعم قضایا کا عکس بھی نہیں ہوگا۔

چھ موجہات کے سالبہ کلیہ کا عکس آتا ہے۔ یعنی دائمتین، عامتین اور خاصتین۔

قضیہ موجہہ اگر سالبہ جزئیہ ہو تو اس میں سے صرف مشروطہ خاصہ اور عرفیہ خاصہ کا عکس آتا ہے۔ ان کے علاوہ جو سالبہ جزئیہ ہیں ان کا عکس نہیں آتا۔

موجہات اگر موجبہ کلیہ یا جزئیہ ہوں تو ان کے عکس کا جدول حسب ذیل ہے:

موجہات موجبہ کلیہ و جزئیہ کے عکس کا جدول

نمبر شمار	اصل قضیہ	مثال	عکس	مثال
۱	ضروریہ مطلقہ	کل انسان حیوان بالضرورہ	موجبہ جزئیہ حینیہ مطلقہ	بعض الحیوان انسان بالفعل

۲	دائمہ مطلقہ	کل انسان حیوان دائما	موجبہ جزئیہ حینیہ مطلقہ	بعض الحیوان انسان بالفعل
۳	مشروطہ عامہ	کل انسان حیوان بالضرورہ مادام انسانا	موجبہ جزئیہ حینیہ مطلقہ	بعض الحیوان انسان بالفعل
۴	عرفیہ عامہ	کل انسان حیوان دائما مادام انسانا	موجبہ جزئیہ حینیہ مطلقہ	بعض الحیوان انسان بالفعل
۵	مشروطہ خاصہ	کل کاتب متحرک الاصابع بالضرورہ مادام کاتبا لادائما	حینیہ مطلقہ لادائمہ	بعض متحرک الاصابع کاتب بالفعل حین ہو متحرک الاصابع لادائما
٦	عرفیہ خاصہ	کل کاتب متحرک الاصابع دائما مادام کاتبا لادائما	حینیہ مطلقہ لادائمہ	بعض متحرک الاصابع کاتب بالفعل حین ہو متحرک الاصابع لادائما
۷	وقتیہ	کل قمر منخسف بالضرورہ وقت حیلولۃ الارض لادائما	مطلقہ عامہ موجبہ جزئیہ	بعض المنخسف قمر بالفعل
۸	منتشرہ	کل انسان متنفس بالضرورہ وقتا ما لادائما	مطلقہ عامہ موجبہ جزئیہ	بعض المتنفس انسان بالفعل
۹	وجودیہ لاضروریہ	کل انسان ضاحک بالفعل لابالضرورہ	مطلقہ عامہ موجبہ جزئیہ	بعض الضاحک انسان بالفعل
۱۰	وجودیہ لاضروریہ	کل انسان ضاحک بالفعل لادائما	مطلقہ عامہ موجبہ جزئیہ	بعض الضاحک انسان بالفعل
۱۱	مطلقہ عامہ	کل انسان ضاحک بالفعل	مطلقہ عامہ موجبہ جزئیہ	بعض الضاحک انسان بالفعل

الطرق الثلاثة لإثبات العکس

اہل منطق کا یہ طریقہ ہے کہ وہ عکس کوثابت کرنے کیلئے تین طرح کے دلائل استعمال کرتے ہیں جن کا بنیادی تعارف یہ ہے:

ا۔ برہان خلف :اس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ عکس کی نقیض نکالی جاتی ہے اوراس کو اصل قضیہ کے ساتھ ملایا جاتا ہے، پس جونتیجہ نکلتا ہےتو وہ محال ہوتا ہے۔ پھر یوں کہا جاتا ہے کہ اگر عکس صادق نہیں ہے تو ماننا پڑے گا کہ اس کی نقیض صادق ہے حالانکہ نقیض تو اصل کے ساتھ محال کا نتیجہ دے رہی ہےتونقیض لازما کاذب ہے۔لہٰذا ثابت ہوگیا کہ اصل عکس صادق ہے۔

۲۔ برہان افتراض :اس میں ذات موضوع کوایک متعین چیزفرض کرلیا جاتا ہےاور پھر اس ذات موضوع پر وصف محمول اور وصف موضوع دونوں کا حمل کیا جاتا ہے۔تاکہ عکس کا مفہوم حاصل ہوجائے۔ یہ دلیل صرف موجبات اورسوالب مرکبہ کےعکس کیلئے کارآمد ہوتی ہے۔

۳۔ برہان عکس :اس میں عکس کی نقیض کاعکس نکالا جاتا ہےاگر یہ عکس اصل عکس کیخلاف ہوتومعلوم ہوجاتا ہے کہ اصل عکس درست ہےاورنقیض کاعکس درست نہیں۔

ملحوظہ :برہان خلف اور برہان عکس دونوں شروع ایک ہی طریقہ سے ہوتے ہیں کہ عکس کی نقیض نکالی جاتی ہے۔اگراس نقیض کواصل کے ساتھ ملاکرقیاس کے ذریعےمحال کا نتیجہ نکالیں تو یہ برہان خلف ہےاوراگراس نقیض کا پھرعکس نکالیں جواصل عکس کے خالف ہےتو یہ دلیل عکس ہے۔ان دونوں براہین سےعکس کی نقیض کا کذب ثابت ہوتا ہےپس اصل عکس کا صدق خودبخو ثابت ہوجاتا ہے۔

شرطیہ کا عکس مستوی

وأما الشرطية :فالمتصلة الموجبة تنعكس موجبة جزئية، والسالبة الكلية سالبة كلية۔ إذ لو صدق نقيض العكس

لانتظم مع الاصل قياسا منتجا للمحال، وأما السالبة الجزئية فلا تنعكس، لصدق قولنا :قد لا يكون إذاكان هذا حيوانا فهو إنسان مع كذب العكس، وأما المنفصلة فلا يتصور فيها العكس، لعدم الامتياز بين جزئيها بالطبع۔

یعنی ''اور قضیہ شرطیہ، تو متصلہ موجبہ کا عکس موجبہ جزئیہ آئے گا۔ اور سالبہ کلیہ کا عکس سالبہ کلیہ آئے گا۔ اس لیے کہ اگر عکس کی نقیض صادق ہوئی تو اصل عکس کے ساتھ ایسا قیاس بنے گا جو محال کا نتیجہ دے گا۔ (یہ برہان خلف ہے) اور سالبہ جزئیہ تو اس کا عکس نہیں آتا کیونکہ ہمارا یہ قول صادق ہے ''**قد لا یکون اذاکان هذا حیوانا فهو انسان**'' اور اس کا عکس کاذب ہوگا۔ رہا منفصلہ تو اس میں عکس کا کوئی تصور نہیں کیونکہ اس کے دونوں حصوں کے درمیان کوئی طبعاً امتیاز نہیں ہوتا۔''

شرح:

قضیہ حملیہ کے عکس کے بعد اب شرطیہ کا عکس بیان کرتے ہیں۔ قضیہ شرطیہ کا عکس مستوی ویسا ہی ہوتا ہے جیسا قضیہ حملیہ غیر موجہہ کا عکس، اس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

قضیہ شرطیہ کی دو قسمیں ہیں متصلہ، منفصلہ۔ پہلے متصلہ کے عکس کی بحث ہے:

۱۔ متصلہ موجبہ : خواہ کلیہ ہو یا جزئیہ، مخصوصہ ہو یا مہملہ اس کا عکس بہر حال موجبہ جزئیہ ہوگا۔ جیسے ''**کلما کان الشیء حدیدا فهو متمدد بالحرارة**'' کا عکس ''**قد یکون اذا کان الشیء متمددا بالحرارة فهو حدید**'' ہے۔

۲۔ متصلہ سالبہ کلیہ : اس کا عکس بھی سالبہ کلیہ آتا ہے۔ جیسے ''**لیس البتة اذاکان المرء حرا خان وطنه**'' کا عکس ''**لیس البتة اذا خان المرء وطنه کان حرا**'' ہے۔

۳۔ سالبہ جزئیہ : اس کا عکس نہیں آتا کیونکہ جب اس کا مقدم، تالی سے عام ہوگا تو عکس

کاذب ہوجائے گا حالانکہ عکس میں بقاء صدق ضروری ہے۔ جیسے "**قد لا یکون اذا کان الشیء معدنا کان حدیداً**" سالبہ جزئیہ صادقہ ہے لیکن اس کا عکس "**قد لا یکون اذا کان الشیء حدیداًکان معدناً**" کاذب ہے۔

قضیہ شرطیہ کی دوسری قسم منفصلہ کا عکس نہیں آتا کیونکہ اس کے دونوں جزؤں کے درمیان کوئی طبعی اور حقیقی فرق اور امتیاز نہیں ہوتا، لہذا پہلے کو دوسرے کی جگہ اور دوسرے کو پہلے کی جگہ رکھنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ اس لیے منفصلہ کا عکس نہیں نکالتے۔

عکس نقیض

البحث الثالث :فی عکس النقیض وهو عبارة عن :جعل الجزء الاول من القضیة نقیض الثانی، والثانی عین الاول۔ مع مخالفة الاصل فی الکیف وموافقته فی الصدق۔

یعنی "تیسری بحث عکس نقیض کے بیان میں ہے اور یہ عبارت ہے اس سے کہ قضیہ کے جزء اول کو جزء ثانی کی نقیض بنادیا جائے اور جزء ثانی کی جگہ اصل جزء اول کو رکھ دیا جائے۔ اس طرح کہ یہ عکس نقیض، اصل قضیہ سے کیف میں مخالف ہو اور صدق میں موافق ہو۔"

شرح:

عکس نقیض کی تعریف اور طریقے کے بارے میں متقدمین اور متأخرین کے درمیان اختلاف ہے۔ متقدمین مناطقہ کے نزدیک عکس نقیض کا مطلب ہے:

قضیہ کے پہلے جزء کی نقیض کو دوسری جگہ اور دوسرے جزء کی نقیض کو پہلی جگہ رکھنا اور اس کا لحاظ رکھنا کہ عکس کی صورت میں صدق اور کیف یعنی ایجاب وسلب باقی رہے۔

متأخرین مناطقہ کے نزدیک عکس نقیض کا مطلب ہے:

قضیہ کے جزء ثانی کی نقیض کو اول کی جگہ اور بعینہٖ اول کو ثانی کی جگہ رکھ دیا جائے۔ اس کا لحاظ رکھا جائے کہ صدق باقی رہے اور کیف یعنی ایجاب وسلب بدل جائے۔ مصنفؒ نے اسی کی پیروی کی ہے۔ متقدمین کے مطابق عکس نقیض کے احکامات یہ ہیں:

موجبہ کلیہ کا عکس نقیض موجبہ کلیہ آتا ہے جیسے "**کل انسان حیوان**" اس کا عکس نقیض "**کل لاحیوان لاانسان**" آئے گا۔

موجبہ جزئیہ کا عکس نقیض نہیں آتا۔ جیسے "**بعض الحیوان لاانسان**" یہ تو صادق ہے اور اس کا عکس نقیض "**بعض الانسان لاحیوان**" صادق نہیں ہے۔

سالبہ کلیہ کا عکس نقیض سالبہ جزئیہ آتا ہے جیسے "**لاشیء من الانسان بفرس**" اس کا عکس نقیض "**بعض اللافرس لیس بلاانسان**" ہے۔

سالبہ جزئیہ کا بھی عکس نقیض سالبہ جزئیہ آتا ہے۔ جیسے "**بعض الحیوان لیس بإنسان**" اس کا عکس نقیض یہ آئے گا "**بعض اللاانسان لیس بلاحیوان**"۔

متأخرین کے مطابق عکس نقیض کے احکامات یہ ہیں:

موجبہ کلیہ کا عکس سالبہ کلیہ آتا ہے۔ جیسے "**کل انسان حیوان**" کا عکس "**لاشیء من مالیس بحیوان انسان**"

موجبہ جزئیہ کا عکس نہیں آتا کیونکہ اگر اس کا عکس بنایا جائے تو اصل قضیہ کے صدق کے ساتھ ہونا چاہئے حالانکہ ایسا نہیں ہوتا کیونکہ "**بعض الحیوان لا انسان**" موجبہ جزئیہ صادقہ ہے لیکن اس کا عکس "**لیس بعض الانسان بحیوان**" کاذب ہوگا۔

سالبہ خواہ کلیہ ہو یا جزئیہ اس کا عکس موجبہ جزئیہ آتا ہے جیسے سالبہ کلیہ ہے "**لاشیء من الانسان بفرس**" اور سالبہ جزئیہ ہے "**لیس بعض الانسان بفرس**" دونوں کا عکس "**بعض مالیس بفرس انسان**" ہوگا۔

تمت بحمداللہ تعالیٰ